بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۲ — ۲۵ جنوری ۲۰۲۵ء مطابق ۲۴ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ — شمارہ نمبر ۶

اس شمارے میں

اداریہ		
ندوہ کا لعلِ شب چراغ	محمد عمیر الصدیق ندوی	۵
دین وایمان		
مدارس نہ ہوتے تو اسلام ختم ہو جاتا	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ	۷
فکرِ معاصر		
مسلم نوجوان اور اسلامی معاشرہ	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۰
چشم کشا		
اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں	مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی	۱۲
راہِ عمل		
مکاتب، اسلامی اسکول اور دینی مدارس	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۳
تعارف وتبصرہ		
'دنیا کو خوب دیکھا' - ایک مطالعہ	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۱۶
یادِ رفتگاں		
مولانا ڈاکٹر محی الدین طالبؒ	مولانا عبد الباسط ندوی	۱۸
عالم اسلام		
انقلابِ شام	فیصل احمد ندوی	۲۳
ارشاد وتذکیر		
اسلامی معاشرہ اور مطلوبہ طرزِ عمل	محمد فرمان ندوی	۲۶
رپورٹ		
مجلس تحقیقات شرعیہ کا فقہی سیمینار	محمد مرغوب الرحمٰن ندوی	۲۸
فقہ وفتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرِ تعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہِ کرم رقم جمع ہو جانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

خصوصی اشاعت بیاد

جناب مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

قارئین محترم!

ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ، صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی (ہند)، مدیر پندرہ روزہ عربی جریدہ 'الرائد' اور سکریٹری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ جناب مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت علماء وطلباء، اربابِ تعلیم وتدریس، اصحابِ زبان وقلم، خادمین دین وملت اور بہی خواہانِ ملک وقوم کے لیے ایک مثالی اور قابل تقلید شخصیت تھی، جن کی زندگی کے نقوش ہمہ جہت اور رہ روانِ علم وعمل کے لیے مشعل راہ ہیں۔ضرورت ہے کہ ان کی علمی، دینی، تعلیمی، فکری، ادبی اور ملی وقومی خوبیوں اور خدمات وکارناموں کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کیا جائے تاکہ زندگی کے مختلف مراحل میں وہ ان سے رہنمائی حاصل کرسکیں۔

اسی مقصد کے پیش نظر "**تعمیر حیات**" کے آئندہ دو ماہ (فروری-مارچ ۲۰۲۵ء) کے شمارے **خصوصی اشاعت** کے لیے خاص کیے گئے ہیں، اہلِ قلم متعلقین ومنتسبین سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی تحریریں ۵؍فروری ۲۰۲۵ء تک بذریعہ ای میل یا ڈاک ضرور ارسال کردیں، تاکہ یہ خصوصی شمارہ وقت معین پر بسہولت منظر عام پر لایا جاسکے۔

امید ہے اہلِ قلم درج ذیل امور کا خیال رکھیں گے:

☆ مضامین ومقالات مختصر اور جامع ہوں۔ ☆ تحریریں ذیل میں دیے گئے عناوین یا ان سے متعلق گوشوں پر مشتمل ہوں۔

ای میل: tameer1963@gmail.com برائے رابطہ: 9621540462, 6202719928

عناوین

مولانا رحمہ اللہ کی شخصیت

- خاندانی کوائف واحوال
- نشو ونما اور تعلیم وتربیت
- اوصاف وکمالات
- نقوش وتاثرات

تعلیم و تدریس

- منہج تدریس وتعلیم
- عربی واردو تحریریں
- تدریس وتربیت میں امتیازی پہلو
- صاحب اسلوب ادیب وانشاء پرداز

- فکر بوالحسن کی آبیاری
- فکر اسلامی کی ترویج میں اعتدال وتوازن
- قومی وملی مسائل پر نظر اور رہنمائی

مناصب اور عہدے

- مدیر عربی جریدہ 'الرائد'
- ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ
- صدر رابطہ ادب اسلامی (ہند)
- سکریٹری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
- مدرس مدرسہ عالیہ عرفانیہ چوک، لکھنؤ
- دیگر مناصب اور عہدے

اداریہ

ندوہ کا لعلِ شب چراغ

محمد عمیر الصدیق ندوی

دل کے جذبات، ذہن و دماغ کی بے چینی اور انتشار و اضطراب کا اظہار شاید پہلی بار ایسا ہوا کہ اپنے بس میں نہیں۔ ابھی کچھ ہی دنوں پہلے اِن ہی صفحات میں یادوں کی چند لہروں کو سمیٹ کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت کو یاد کیا گیا تھا، اور میر تقی میر کے ایک مصرع میں ہلکا سا تصرف کر کے کہا گیا تھا کہ: ''یاد اُس کی خوب ہے''، کیا خبر تھی کہ چند دنوں بعد مصرع ہی نہیں، پورا شعر ایک حقیقت کا ترجمان بن جائے گا کہ:

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

خبر آئی جو واقعی صاعقہ اثر تھی کہ اچانک مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی کا انتقال ہو گیا، وہ اچانک ایک شام اس طرح دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے جیسے شفق ہستی پوری کی پوری خونِ شہید میں ڈوب گئی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

بس ایک خبر آئی اور بے شمار دلوں کو اس طرح تڑپا گئی کہ ذہن و دل سب کے سب یقین کرنے سے معذور نظر آنے لگے۔ بعض بزرگوں نے اس کیفیت کو پہلے بھی بیان کیا ہے کہ بعض موتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی خبر سن کر زبان بند ہو جاتی ہے، آنسو سوکھ جاتے ہیں، دل کی حرکت بڑھ جانے کے بجائے گھٹ جاتی ہے، اندر ہی اندر گھٹن محسوس ہوتی ہے؛ مگر جی نہیں چاہتا کہ کچھ بول کر دل کی بھڑاس نکالی جائے، زبانیں خاموش؛ لیکن آنکھوں کی دنیا میں چلتے پھرتے منظر بس اتنی خاموشی میں یہی آوازیں دیتے ہیں کہ: ''تدمع العين و يحزن القلب ، و لا نقول إلا ما يرضى ربنا، وإنا بفراقك لمحزونون''.

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی کا رخصت ہونا' اُن کے گھر، اُن کے خاندان، اُن کے بڑوں، اُن کے چھوٹوں، اُن کی ملت اور اُن کے ملک کو سرپیش سارے مصائب کے ہوتے ہوئے یقیناً ایک عجب سا سانحہ ہو گیا، کیا کہا جائے کہ وقعت الواقعة کی تفسیر بن گیا۔ اس نے کتنے زخموں کو یاد دلایا، ٹھیک سو سال پہلے ایک ندوی عالم عبدالرحمٰن نگرامی کا انتقال ہوا تھا، اس سانحہ کو مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ''ہماری جماعت کا لعلِ شب چراغ گم ہو گیا'' کے جملے سے یاد کیا تھا، لکھا تھا کہ: ''ندوۃ العلماء نے اپنے کیا گوہر آبدار کھوئے، ۳۰/برس کی مدت میں جتنے کارآمد اور علم دین کے خادم پیدا کیے، عبدالرحمٰن ان سب میں بہتر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں علم و عمل کی ساری خوبیاں جمع کر دی تھیں''۔ سید صاحبؒ کے ایک صدی قبل کے یہ الفاظ لگتا ہے ہمارے جعفر مسعود مرحوم کے لیے ہی لکھے گئے۔

مرحوم کے لیے 'کارآمد' اور 'خادمِ دین' بس یہی دو لفظ ہی ایک مثالی انسانی کائنات کی دریافت کی کنجی ہیں۔ ایک عظیم ترین علمی و عملی خانوادہ کا چشم و چراغ ہونا، ایک مقامی مدرسے میں تدریس کی خدمت میں خاموشی سے عمر عزیز کی قریب نصف مدت گزارنا، عربی اور اردو میں زبان و بیان پر ان کی قدرت اور فکر اسلامی کی حقیقت تک رسائی کی نعمت یعنی فضل و کمال، تحریر و تقریر، مطالعہ اور وسعتِ نظر ان ساری دولتوں کا شمار تو عرصے تک ہوتا رہے گا، مدرسہ عالیہ عرفانیہ چوک لکھنؤ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مسند تدریس، 'الرائد' کی ادارت، اور رسائل و جرائد میں نہایت قیمتی احساسات و خیالات، ناظر عام کی حیثیت سے تھوڑے سے وقت میں دل جیت لینے والے انتظام و انصرام کے اقدام، رابطہ ادب اسلامی کے عہد و پیمان کی تجدید، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کے لیے ہمہ وقت فکر، اور فطری کم گوئی کو بیانیہ کی توانائی میں بدلنا، گھر سے باہر خود کو مستور رکھنے والی عادت کا ملکوں، شہروں اور قصبوں میں تبلیغ و تلقین کے فریضہ میں بدلنا، یہ ساری داستانیں دہرائی جاتی رہیں گی اور بالآخر تھک کر یہی کہیں گی کہ: 'تو چیزے دیگری'۔

لیکن یہ سب چیزیں ہوتے ہوئے جب ان کے اصل جوہر پر نگاہ کی جائے گی یا نگاہ اسی پر ٹھہرے گی تو یہ جوہر اصلی خود ہی اپنی نشاندہی ان کے اخلاق و

کردار سے کرتا نظر آئے گا، ہم نے بعض بزرگوں کے حالات میں پڑھا ہے کہ وہ سرتاپا انکسار، سراپا تواضع، حد درجہ فروتن تو تھے ہی، حد درجہ بے نیاز، غنی نفس، بلند حوصلہ، اساتذہ اور بزرگوں کا حد درجہ لحاظ اور خدا کے سوا ہر بڑائی سے نڈر اور ہر کبریائی سے بے خوف تھے، آج بغیر کسی پس وپیش کے یہ تمام الفاظ اپنی تمام معنویت کے ساتھ ہمارے جعفر مسعود مرحوم کی یادوں کے لیے وقف ہیں۔ کیسے کیسے پرانے جملے یاد آتے جاتے ہیں کہ انسان کی صورت میں ایک فرشتہ' نوجوان ہو کر اپنے اخلاق اور دینداری سے بوڑھوں کو شرمانے والے ایسا سادہ وآزاد کہ جس کے عہد شباب پر زہد وسادگی کو رحم آجائے۔

کمالات کا مجموعہ ہونا، صفات عالیہ کی جامعیت کا ہونا، اوصاف کا تنوع؛ بلکہ تضاد کا بیک وقت جمع ہونا اور عزیزوں، دوستوں اور احباب میں مداحوں اور قدر دانوں کا ہونا، یہ سب انسان کی اپنی اکتسابی صلاحیت کا نتیجہ ہوسکتا ہے؛ لیکن اس میں بڑا دخل کوئی مانے یا نہ مانے، ان خاندانی اقدار وروایات کی حفاظت اوران کی پاسداری کا بھی ہوتا ہے جو نسل درنسل ایک بیش بہا میراث کی شکل میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔

جعفر مسعود مرحوم کو اگران کی حیاتِ مستعار میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید محمد الحسنیؒ، مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ اور خود ان کے والد ماجد مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی نگرانی وتربیت، دید وشنید اور استفادہ واکتساب کا ماحول ملا تو پھر اس پورے خاندان سے واقفیت رکھنے والوں کے لیے ذرا بھی حیرت کی بات نہیں کہ جعفر شہید کی صفات میں کم آمیزی، کم سخنی، خلوت پسندی، نگاہ وقلب میں مال ودولت اور رشتہ وپیوند کی بے ثباتی اور جاہ طلبی اور شہرت و نمائش سے دوری، اپنی ہی خدمات کے ذکر وتشہیر سے گریز، ٹھوس کاموں کو ترجیح، یہ ساری خوبیاں کیسے رچ بس گئی تھیں۔

جعفر شہیدؒ کے جد امجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کے نام ایک خط میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے لکھا تھا کہ: ''میں دنیا سازی نہیں جانتا اور جھوٹی خوشامد نہیں کرتا، اس لیے جو کہوں گا سچ کہوں گا کہ آپ کے علونسب، مذہبی زندگی، ایثارِ نفس، محاسن اخلاق کا میرے اوپر جو اثر ہے، اس کے لحاظ سے میں اپنے آپ کو آپ کا ایک خادم سمجھتا ہوں''۔ یہ اپنے عہد کے حجۃ الملۃ والدین کا ایک تاثر تھا، خانوادۂ سید احمد شہیدؒ کے لیے اور اس کی روایات کو جعفر شہیدؒ میں زندہ وتابندہ دیکھ کر کون ہے جو اس تاثر میں شامل وشریک نہ ہوسکے۔

جعفر مسعود شہیدؒ کو مشیت الٰہی نے دنیا والوں کی نگاہ سے اوجھل کر دیا؛ لیکن اُن کے پردے میں بہت کچھ ظاہر بھی کر دیا، ہمارے بزرگوں کی وہ حسرتیں پھر سے جی اٹھیں جو جمال میں حسب ونسب کا نور دیکھتی تھیں تو ساتھ ہی کمال میں علم وعمل کا سرور بھی تلاش کرتی تھیں۔ مردم شناسی، معاملہ فہمی، علمی وفکری اصابت و استقامت اور اخلاصِ عمل یہی حسن عمل کا وہ نور ہے جس کے ذریعے ایک زمانہ تک جعفر مرحوم کو دیکھا اور یاد کیا جاتا رہے گا۔

کیا کیا کہا جائے، ہمارے بزرگوں کی زبان میں وہ بہت کچھ تھے؛ مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے ہر دوست، ہر ہم عصر، ہر رفیق کے محبوبِ حبیب تھے، ان کا ہر ملنے والا یہی سمجھتا تھا کہ وہ اسی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، ان کی ہستی محبت کا آئینہ خانہ تھی، اور ہر آئینۂ دل میں وہی ہر طرف چلتے پھرتے نظر آتے تھے، ان کو ان دو تین دنوں میں جس طرح یاد کیا جا رہا ہے، اس کے لیے یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

جہانے را جگر خوں شد، ہمیں تنہا نہ می گویم

'تعمیر حیات' کی آئندہ اشاعتوں میں زیادہ تفصیل سے، زیادہ سلیقے سے اور زیادہ دردمندی اور فکرمندی سے یادوں کی دنیا آباد ہوتی رہے گی۔ اس وقت تو جذبات وخیالات بے قابو ہیں۔ شکوہ گلہ کچھ نہیں، بس لبوں پر یہی دعا ہے اور یہی اقرار ہے کہ: اے اللہ تعالیٰ! تیری رضا پر راضی رہنا ہمارا ایمان ہے۔ ہم سب تیرے ہیں اور تیرے ہی پاس آنے والے ہیں تو پھر اے ہمارے رب! ہماری دعاؤں کو قبول کرلے کہ جعفر شہیدؒ کو اعلیٰ علیین میں اپنے قرب کی نعمت سے سرفراز فرمادے۔ عباد الرحمٰن کی جو خوبیاں تیرے کلام میں بتائی گئی ہیں، اے اللہ! ہم گواہ ہیں کہ ہم نے ان کی جھلک جعفر شہیدؒ میں دیکھی ہیں تو اے خدا! ان کو اس زمرہ میں شامل کر دیجیے جن کے لیے حَسُنَتْ مُسْتَقَراً وَّ مُقَاماً کا مژدہ ہے، آمین۔

ایک خبر اور تشویش کا سبب ہے اور اسی لیے دعاؤں کی درخواست کی طالب بن گئی ہے، وہ یہ کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیم، بقیۃ السلف، محدث شہیر حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم بستر علالت پر ہیں، ایک خبر کے مطابق دماغ میں خون کے جم جانے کی وجہ سے آپریشن کیا گیا ہے، انتہائی نگہداشت کے مرحلے سے گزر کر گو وہ اب بہتر حال میں ہیں؛ لیکن ابھی ضعف حد درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا محترم کو شفائے کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔ اب ایسی شخصیتیں حقیقتاً نایاب ہوتی جاتی ہیں۔

☆☆☆

دین وایمان

مدارس نہ ہوتے تو اسلام ختم ہوجاتا

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

ہمارے دینی مدارس جن کو ہم صرف دینی تعلیم گاہ سمجھتے ہیں، یہ تعلیم گاہیں نہیں؛ بلکہ یہ دینی پاور ہاؤس ہیں، جس طرح پاور ہاؤس سے پورے علاقے میں بجلی پہونچتی ہے، اور علاقوں کو روشن کرتی ہے، تاریکی کو دور کرتی ہے، جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اندھیروں میں اُجالا ہوتا ہے، اسی طرح یہ مدارس ہیں کہ ان سے پوری امت مسلمہ کو فیض پہونچتا ہے، خاص طور پر ان علاقوں میں جن علاقوں میں یہ ادارے قائم ہوتے ہیں، اور اسی طریقہ سے ایمان کی روشنی پہونچتی رہتی ہے، اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو اسلام ختم ہوجاتا۔

میں ترکستان گیا، وہاں سمرقند و بخارا میں جانے کا اتفاق ہوا، ہم نے وہ علاقے دیکھے، جہاں کے علماء کی کتابیں ہمارے ہندوستان کے اکثر مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، گویا کہ پورا ہندوستان ان کا شاگرد ہے، ان کی کتابیں پڑھے بغیر کوئی عالم نہیں بن سکتا، وہاں یہ حال ہے کہ وہاں کے لوگ نماز کو نہیں جانتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ اور ان کے حالات کو نہیں جانتے، نماز پڑھنا اسلام کے دوسرے ارکان کو ادا کرنا تو بہت دور کی بات ہے، وہاں علماء ہیں؛ لیکن بہت تھوڑے ہیں، انھوں نے چھپ کر کچھ علم حاصل کیا اور وہ اپنے دائرہ میں جتنی محنت کرسکتے ہیں کرتے ہیں، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے، اس لیے کہ وہاں کی فضا ستر اسّی سال اسلام سے ناآشنا رہی، مسجدوں کو سینما کے اڈوں میں تبدیل کردیا گیا، اصطبلوں اور نائٹ کلبوں میں بدل دیا گیا، وہاں کے عوام کا مزاج بگاڑ دیا گیا، اور نماز وروزہ اور دینی شعائر پر عمل کرنے سے سختی سے روک دیا گیا۔

آپ جانتے ہیں کہ ایک نسل تقریباً تیس سال عمل میں رہتی ہے، تیس سال کے بعد دوسری نسل آجاتی ہے جو عمل سنبھال لیتی ہے، زندگی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے بدل جاتے ہیں، تو اگر کوئی چیز روک دی جائے، اس کی حصول یابی بند ہوجائے تو آپ ایک نسل تک تو کام چلالیں گے، جس زمانے میں اس کو حاصل کیا ہے، وہ تو اسی نظریات پر قائم رہے گی؛ لیکن جب نسل بدلے گی، دوسری نسل آئے گی، اس کے پاس وہ چیز نہیں ہوگی، اس لیے کہیں بھی آپ کوئی چیز کوئی عادت کوئی رسم و رواج کوئی مذہب ختم کرنا چاہیں، تو آپ اس کو روک دیں اور تیس سال انتظار کرلیں یا ساٹھ سال انتظار کرلیں، جب تیسری نسل آئے گی تو وہ بالکل صاف ہوگی، اس کو کچھ معلوم نہیں ہوگا۔

اس سلسلہ میں مشرقی ترکستان کا ایک واقعہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں، مشرقی ترکستان جو چین کے قبضہ میں ہے، وہاں ہندوستان یا پاکستان سے کوئی شخص سیاح کی حیثیت سے گیا، ہوائی اڈے پہونچنے پر ان کی کسی صاحب سے ملاقات ہوئی، اور کسی طرح ذکر آگیا کہ وہ مسلمان ہیں، وہ بہت خوش ہوا، اور کہنے لگا کہ ہم بھی مسلمان ہیں، اور آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، اس کو اپنے مسلمان ہونے پر بہت فخر تھا، اس نے پوچھا کہ تمہارے یہاں کیا اسلام پر عمل بھی ہوتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، ہم روزانہ عبادت کرتے ہیں، اس نے پوچھا آپ کے یہاں کیا عبادت ہوتی ہے؟ انہوں نے چار پانچ عربی کے لفظ کی ایک دعا بتائی کہ ہم اس کو روزانہ صبح پڑھتے ہیں، انھیں اتنا معلوم نہیں تھا کہ عبادت کیا چیز ہے، چند الفاظ دعا کے یاد تھے، جو سنت سے ثابت بھی نہیں تھے، بلکہ کسی بزرگ کی ترتیب دی ہوئی دعا تھی، اس کے الفاظ اب مجھے یاد نہیں رہے، اسی دعا میں ان کا گویا پورا اسلام سمٹ گیا تھا، وہ جانتے ہی نہیں تھے کہ اسلام کیا ہے؟ کلمۂ ایمان کیا ہے؟ دین کیا چیز ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ ﷺ کی زندگی کیسی تھی، آپ ﷺ کے صحابہؓ کیسے تھے؟ وہ دینی تعلیمات سے بالکل نابلد ہوگئے تھے۔

بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے اگر دینی تعلیم کو روک دیا جائے، دعوت کے کام کو روک دیا جائے، تو ایک دو نسل کے بعد دعوت کا کام، دین کا کام، اس کی تعلیمات، اس کے مدارس سب ختم ہوجائیں گے، آج جو اتنے حضرات جمع ہیں، یہ سب دین کی نسبت سے جمع ہیں، اس لیے کہ آپ کو آپ کے بڑوں کی تربیت حاصل ہوئی ہے، ایمانی ماحول میں آپ پلے بڑھے ہیں، ان کی سرپرستی میں آپ نے دین سے واقفیت حاصل کی ہے، مدارس کے ذریعہ سے اور علماء کے ذریعہ سے اور جن سے آپ کا دین کے سلسلہ میں ربط و تعلق رہا ہے، ان سے آپ نے دینی تعلیم اور دینی مزاج حاصل کیا ہے، لیکن اگر آپ سے آپ کی اولاد کو دین کی تعلیم نہیں پہونچے گی، آپ کی اولاد میں دینی شعور نہیں رہے گا، ایمان نہیں رہے گا، جتنی دینی تعلیم سے وہ واقف ہوں گے اسی قدر وہ مسلمان ہوں گے، پھر اس کے بعد آنے والی نسل بالکل ایمان سے ماوراء ہوجائے گی، اور پھر تیسری نسل بالکل صاف ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ علماء کرام برابر اس ملک میں کوشش کرتے رہے، اور نہی کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یہاں اسلام اچھی حالت میں ہے، بہت سے مسلم ملکوں سے زیادہ بہتر حالت میں یہاں پر مسلمان ہے؛ لیکن یہ ہماری وجہ سے نہیں بلکہ ہمارے بڑوں کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسے باحمیت علماء عطا کیے تھے، جنہوں نے خون پسینہ کو ایک کر کے دین کی تعلیمات ہم تک پہونچائیں، یہ سب ان کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم مسلمان ہیں، ہمارے مسلمان ہونے کی وجہ اسلام کو سیکھنا نہیں ہے، ہماری محنت کا اس میں بہت کم دخل ہے، یہ ہمارے بڑوں کی محنت کا نتیجہ ہے کہ ہم اسلام کو اتنا جانتے ہیں، اور اسلام سے ہم لوگوں کو اتنا تعلق ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں، لیکن مستقبل میں کیا ہوگا؟ یہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، حکومت مسلمانوں کے پاس نہیں ہے، حکومت کا جو ذریعہ ہوتا ہے، اور اس کے جو فائدے ہوتے ہیں، وہ ہم کو حاصل نہیں ہیں، ہم جو کچھ محنت اور فکر کریں گے وہی ہوگا، باہر سے کرنے والا کوئی نہیں ہے، اور حکومت کی طرف سے کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے، تو پھر ہمیں ہی فکر کرنی پڑے گی، تو پہلی بات تو یہ ہے کہ ان مدارس کو جس طرح ہم پھیلا سکیں، اور بڑھا سکیں اور اس کی حفاظت کر سکیں، یہ ہمارے لیے ضروری ہیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں جلدی اختلافات اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں، اس میں شاید نیت اچھی ہوتی ہو؛ لیکن امت بکھر جاتی ہے، امت ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی ہے، اور کوئی چیز تقسیم ہوجائے اور بٹ جائے تو اس کی طاقت وقوت ختم ہوجاتی ہے، وہ اپنی جگہ چاہے اچھا ہو، لیکن وہ اثر انداز نہیں ہوسکتا، جب طاقت ختم ہوگی تو کیسے کوئی اثر انداز ہو پائے گا، اس امت کی اصل قوت اتحاد ہے، قرآن مجید کا حکم ہے "وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ"، صاف صاف حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ادھر ادھر ٹکڑوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ، مل جل کر رہو، مل جل کر رہنے کے لیے اپنی طبیعت پر جبر کرنا پڑتا ہے، اور اپنی خواہش سے تنازل اختیار کرنا پڑتا ہے، یہاں آپس میں تفرقہ بہت تھا، تو ان علماء نے جو مدارس کو چلا رہے تھے اور دین کی خدمت کر رہے تھے، انہوں نے یہ بات سوچی کہ کسی طریقہ سے اس بات کو ختم کیا جائے، اور یہ تعلیم گاہ کے ذریعہ سے کرنا چاہیے، تعلیم گاہ کا جو اثر پڑتا ہے وہ عام کوششوں کا نہیں پڑتا، اس لیے کہ طلباء اپنے اساتذہ کی بات کو وزنی سمجھتے ہیں، اور مانتے ہیں، اور اس پر عمل کرتے ہیں، ان کے مقابلہ میں واعظ کی بات سے اتنا متاثر نہیں ہوتے، جتنا معلم کی بات سے متاثر ہوتے ہیں، یہ سیدھی بات ہے کہ تعلیم گاہ کے ذریعہ سے کام کیا جائے گا اس کا اثر زیادہ پڑے گا، فوراً تو نہیں، لیکن جب نسل تیار ہوجائے گی تو نسل کام کرے گی، اور وہ اس فکر کو آگے بڑھائے گی، تو اس بنیاد پر ندوۃ العلماء کا قیام ہوا، اور ندوۃ العلماء نے اسی طریقہ سے کوشش کی، متعدد شخصیتیں اس کا نمونہ ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبد الباری ندویؒ، ان حضرات کا تعلق حضرات دیوبند سے پوری طرح تھا، اصلاح و استرشاد کا بھی ان ہی سے تعلق تھا، حضرت مدنیؒ سے ندوہ کے لوگوں کا برابر اصلاح واسترشاد کا تعلق رہا، لیکن تعلیم ونصاب کے سلسلہ میں نیا رویہ اختیار کیا تاکہ اس میں جو تفریق پیدا ہوتی ہے، اس کے اسباب کسی طریقہ سے دور کر دیے جائیں، اور امت کو آپس میں ملایا جائے۔

الحمد للہ یہ بات صرف ندوہ ہی نہیں، ندوہ نے تو اس کو اپنا موضوع بنایا؛ لیکن ہمارے حضرات اور بزرگوں نے بھی اس طریقہ کو اپنایا، ہندوستان میں اتنے زیادہ فرقے ہونے کے باوجود آپس میں جتنا اتحاد ہے، وہ آپ کو کسی دوسری جگہ نہیں ملے گا، یہ ہمارے بڑوں کی محنت کا نتیجہ ہے، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ، حضرت شیخ الاسلامؒ ان حضرات کے شاگردوں نے کتنی بڑی خدمت انجام دی ہے، کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے، جو ان حضرات کے شاگردوں سے تعلق نہ رکھتا ہو، تو اس ملک میں اقلیت میں ہونے کی وجہ سے ہم ہی کو اس کی فکر کرنی پڑے گی، ہم اگر اپنے کو نہیں سنبھالیں گے اور دین کو اپنی نسلوں تک نہیں پہونچائیں گے، تو دوسرا ہماری مدد کے لیے نہیں آئے گا، یہ حضرات اس وقت سب مسلمانوں کی سربراہی اور دینی رہنمائی کر رہے ہیں۔

دو باتیں میں خاص طور پر آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں، ایک تو ہمارے مدارس کے بقاء کی بہت ضرورت ہے، ان مدارس کو ختم کرنے کی کوششیں بہت زور سے چل رہی ہیں، اس کو سب لوگ نہیں جانتے، وہ لوگ جو حالات سے واقف ہیں، وہی اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، اور اس کو مٹانے کی اس خوبصورتی کے ساتھ کوشش کی جارہی ہے کہ اس کا پتہ بعد میں چلے گا، جب وہ کامیاب ہوگی، اور اگر خدانخواستہ وہ وقت نکل چکا ہوگا، تو پھر کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا، اس لیے ہم کو ہوشیار ہونا چاہیے، ان مدارس کو قوت پہونچانا چاہیے، اور ان کو مضبوط کرنا چاہیے، ان کی طرف سے پورا دفاع کرنا چاہیے، جب تک یہ مدارس کام کرتے رہیں گے، اس ملک میں دین

قائم رہے گا، اور اگر خدانخواستہ اس میں ہماری کوشش نہ رہی اور توجہ نہ رہی تو یہاں پر اسی طرح اسلام ختم ہوجائے گا جیسا کہ اسپین سے ختم ہوگیا، حالانکہ چھ سو آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی؛ لیکن حکومت کو بچا نہ سکے اور حکومت کے ساتھ وہاں مسلمان بھی ختم ہوگئے۔

اس وقت ملک کو جس چیز کی ضرورت تھی، انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی، انہیں اپنا اقتدار عزیز تھا، ضلع ضلع میں حکومتیں قائم کر کے انہوں نے علاقوں کو تقسیم کردیا، اور جب عیسائی طوفان آیا، کوئی اس کے سامنے بندھ نہ باندھ سکا، اس نے ایک ایک کر کے سب کو نگل لیا، بھائی بھائی سے جب لڑنے لگے تو پھر کہاں سے طاقت پیدا ہوسکتی ہے؟ لہٰذا ہم سب کو ایک ہوکر مل جل کر کام کرنا ہے، اور دین کی حفاظت کا احساس ہمارے اندر پیدا کرنا ہے، جب تک صحیح احساس پیدا نہیں ہوگا، تو ہم دین کی اس طرح خدمت نہیں کرسکتے جس طرح کرنی چاہیے، دین کو بچانے کی ذمہ داری ہماری ہے، حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے، دستور ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کرتا، اکثریت یہاں غیروں کی ہے اور ان کا طریقہ مختلف ہے، جو بھی محنت کرنی ہوگی ہم ہی کو کرنی ہوگی۔

ایک تو یہ کہ دین کی تعلیم اور دعوت دین کم از کم ضرورت کے مطابق پہونچ جائے گی، اور اس کے لیے سارے مسلمانوں کو میدان عمل میں آنا ہوگا، یہ کام کسی ایک فرد یا جماعت کا نہیں۔

دوسری اہم بات آپس کے اختلافات سے بچنا ہے، رواداری اختیار کریں، عقائد میں پختگی ہو، عقائد میں کوئی کمی بیشی نہیں، کوئی رواداری نہیں، کوئی گنجائش نہیں؛ لیکن جہاں عام انسانی سطح کی بات ہے اس میں آپس میں مل جل کر کام کرسکتے ہیں، اور اسلام کے جو ضروری معاملات ہیں، اس میں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اختیار کریں۔

اسی لیے میں جب کسی مدرسے میں جاتا ہوں، اور کچھ سنانے کا موقع ملتا ہے، تو اس طرف لوگوں کی توجہ خصوصیت سے مبذول کرتا ہوں، کہ مدرسے بہت ضروری ہیں، ساری باتیں، سارے مشورے جو مدرسے کو نقصان پہونچا سکتے ہیں، ان سے بچنے کی پوری کوشش کریں، اس سلسلے میں تفصیل کا موقع نہیں، اس لیے کہ بڑی طاقتیں خطرناک سازشوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اس لیے ان مدرسوں کی حفاظت کرنی ہے، اور اس کے ذریعہ سے جو فیض پھیلتا ہے اس میں مدد کرنے کی ضرورت ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر مسلمان خاندان کو یہ فکر کرنی چاہیے کہ ہم میں دین باقی رہے، اس کی تمنا کرنے کے ساتھ فکر کرنی پڑے گی، اس کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے، کم از کم ہر خاندان کے ایک یا دو فرد دینی علوم کے حامل بن کر سارے خاندان کو فیض پہونچائیں، سب لوگ تو ان مدارس میں نہیں پڑھ سکتے، اتنی تعداد تو ہونی چاہیے جس سے امت کو دین پر قائم رکھنے کا کام ہوسکے، اور امت دین سے دور نہ ہو، اس کے لیے آپ فوراً اس کا نتیجہ نہیں دیکھیں گے، بلکہ تیس سال میں نسل بدل جاتی ہے، جو کام آپ کر رہے ہیں، وہ آپ کی اولاد کرے گی، تیس سال کے بعد وہ میدان عمل میں ہوگی، اس لیے ہماری ذمہ داری دین پہونچانے کی ہے، ان مدارس کی قدر کیجئے، اور اس کی تقویت کے لیے جو آپ کے پاس ذرائع ہوں ان کو اختیار کیجیے، اور دوسرا یہ کہ فروعی معاملات اور عام انسانی معاملات میں رواداری کو اپنائیے، اس سے ہمیں قوت ملے گی۔

امت اس وقت تک مضبوط رہے گی جب تک ایک پلیٹ فارم پر رہے گی، متحد رہے گی، اس لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا جو پلیٹ فارم ہے، اس میں سارے مسالک کو شریک کیا گیا ہے، تاکہ ہماری آواز مضبوط ہو، ہم سب کو لے کر چل رہے ہیں، حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اسی چیز کو اپنایا تھا، اور وہ اسی کی دعوت دیتے تھے، اور ہم اسی دعوت کے مطابق یہ بات کہہ رہے ہیں، کہ ہندوستان میں ہم امت اسلامیہ کی تھوڑی سی ذاتی توجہ سے دین کو بچاسکیں گے، اس لیے کہ ہمارے سامنے اس کا تجربہ ہے، ہم اگر دین پر قائم رہیں گے، اور دین کو نسلوں تک منتقل کریں گے، تو یہ دین یہاں تابندہ و زندہ رہے گا۔

اصل تو انسان کی اندرونی طاقت ہوتی ہے، اس کا مقابلہ نہ اسلحہ سے ممکن ہے، اور نہ ظلم و زیادتی سے اس پر قابو پایا جاسکتا ہے، ظلم و زیادتی اور اسلحہ کتنے ہی خطرناک کیوں نہ ہوں، اگر اس کا دل مضبوط ہے، تو اس کو بدل نہیں سکتے، ہم کو اپنا ایمان اتنا مضبوط کرلینا چاہیے کہ ہمارے ایمان کو کوئی چھین نہ لے، یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ اپنے دل میں ایمان کو مضبوطی سے جمالیں، بزرگوں سے تعلق رکھنا اور ان سے فیض اٹھانا، ان سے دین و ایمان کی باتیں معلوم کرنا، اور اس ایمان کو اپنے اندر جمالینا، جب بار بار آپ بزرگوں کے پاس اصلاح کی نیت سے آتے جاتے رہیں گے، تو ایمان آپ کے دل میں جم جائے گا، وہ آپ کی فطرت بن جائے گا، پھر جو آپ سے تعلق رکھے گا اس کے اندر ایمان داخل ہوجائے گا، تو ان مدارس کی طرف ساری توجہ صرف کرنا چاہیے، اور بزرگوں سے تعلق رکھنا چاہیے، اس وقت بزرگوں کی تعداد بہت کم ہے، اور جب تعداد کم ہوتی ہے تو اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

فکر معاصر

مسلم نوجوان اور اسلامی معاشرہ کے تقاضے

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

روزِ اوّل ہی سے نوجوان نسل زندگی کے مثبت پہلوؤں، اور انسانی سوسائٹی کے روشن مستقبل کی تعمیر کے سلسلہ میں امت کی امیدوں کا مرکز رہی ہے، کیونکہ وہ عالمِ انسانی کی عزت وسعادت کا بنیادی عنصر ہے، اس لیے سماج میں ہر اعتبار سے اس کی بنیادی تربیت پر توجہ دی گئی ہے، اس نسل کو بلند کردار اور اعلیٰ صفات وفاضلانہ اخلاق سے متصف کرنے کے لیے جگہ جگہ تعلیمی وتربیتی مراکز قائم کیے گئے ہیں، اسی طرح عالمی انسانی برادری نے بھی اس مقصد کے حصول پر پوری توجہ دی ہے، جس کے نتیجہ میں ان تربیتی مراکز سے نوجوانوں کی ایسی تعداد نکلی، جو میدانِ کارزار میں قدم رکھنے کے لیے پوری طرح تیار تھی، اور اس کے لیے انہوں نے ان تمام ضروری پہلوؤں کو اختیار کیا، جن سے ان کے اندر خوداعتمادی، خیر کے کاموں میں ایک دوسرے کے تعاون کا جذبہ اور حیرت انگیز کارناموں کو انجام دینے کا جذبہ پیدا ہو، چاہے اس کے لیے جان ومال کی کتنی ہی قربانی دینی پڑے، انھیں اللہ ربّ العزت کی طرف سے ایسی شجاعت وجواں مردی ملی کہ انھوں نے عمل پیہم اور جہد مسلسل کے میدان میں بہادری کی انوکھی مثال قائم کرنے، ملک واقوام کو فتح کرنے اور حکومتوں کو قائم کرنے میں اپنی پوری مہارت کا ثبوت دیا۔

یہ وہی نوجوان ہیں جنھوں نے تاریخ کے صفحات پر شجاعت وبہادری کے حیرت انگیز واقعات رقم کیے، تاریخ انسانی ایسے اولوالعزم، اور دور اندیش نوجوانوں سے بھری پڑی ہے، جنھوں نے دنیا میں انقلاب پیدا کیا، زندگی کے رُخ کو موڑ دیا، اور انسانوں کو جامع وکامل اور ہمہ گیر تہذیب وثقافت کا عظیم تحفہ عطا کیا، یہی نہیں بلکہ اسے موقع پرستی اور خودغرضی کے شکنجہ سے بھی نجات دلائی، روئے زمین پر پائی جانے والی بدعنوانیوں کا قلع قمع کیا، اور جوامانت الٰہی کے محافظ ونگہبان ہیں ان کی راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو دور کیا۔ اور یہ وہ نوجوان ہیں جو اللہ پر مضبوطی سے ایمان رکھتے ہیں اور جنھیں راہِ حق کی مکمل ہدایت ملی ہے، جس میں اس بات کی پوری ضمانت ہے کہ وہ ہمیشہ اعتدال پر قائم رہیں گے، اور ذرّہ برابر بھی انحراف کا شکار نہیں ہوں گے، اللہ ربّ العزت کا اپنے بندوں سے اسی چیز کا مطالبہ ہے، اور اسی کی دعوت اللہ کے نیک بندوں نے بھی دی ہے کہ: "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (اے ہمارے رب! ہمیں دنیا وآخرت دونوں میں بھلائی عطا فرما)۔ وہ راہ اعتدال پر قائم رہے اور امت وسط کی بہترین مثال پیش کی: "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ، وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً" (اور اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں)۔

یہ وہی نوجوان ہیں جو تخلیق آدم ہی کے وقت سے ہر جگہ انسانیت کے لیے ایک متاع گم شدہ کی حیثیت رکھتے ہیں، یہی ہیں وہ جو اپنے اپنے زمانہ میں انبیاء ورسل کا مقصود ومطلوب رہے ہیں، تاکہ پیغام الٰہی کو دنیا میں عام کریں، اسی اہمیت کے پیش نظر انھیں ہمیشہ صف اوّل میں جگہ ملی، اور دنیا وآخرت کی سعادت سے ہم کنار ہوئے، جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے سورۂ کہف میں ان نوجوانوں کا تذکرہ کیا ہے جو پکے، سچّے مومن تھے، اور جنھیں باطل اور طاغوتی طاقتوں نے پوری شجاعت کے ساتھ کھلم کھلا یہ اعلان کرنے سے نہیں روکا کہ: "رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُوْنِهِ إِلٰهاً، لَقَدْ قُلْنَا إِذاً شَطَطاً" (ہمارا رب وہی ہے جو آسمان وزمین کا رب ہے، ہم اس کے علاوہ دوسرے معبود کو ہرگز نہیں پکارتے، ورنہ ہم نے تو بڑی لچر بات کہی)، اور جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے: "قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ" (لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے، جن کا نام ابراہیم ہے)۔

اور اس طرح کے مؤمن نوجوان ہر زمان ومکان میں پائے گئے ہیں، جن کی زندگی ایمان باللہ، عملِ صالح، دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جامع رہی، لہٰذا وہ جہاں بھی رہے نصرتِ خداوندی ان کے ساتھ رہی، اور ہر موقع پر توفیق الٰہی ان کے شامل حال رہی، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے نوجوان اپنے دین وشریعت پر ہمیشہ ونازاں رہے، اپنے اقوال سے اس کی عظمت کے نقوش قائم کیے، اپنے اعمال سے اس کی خوبی بیان کی، ان کی اس عظمت وافتخار اور جوانی کی نعمت کا تذکرہ انسان اور فرشتے دونوں نے سنا:

نحن الشباب لنا الغد ومجده المخلد
الدين في قلوبنا والنور في عيوننا

والحق في يميننا والغار في جبيننا
نحن الشباب لنا الغد ومجده المخلد

(ہم ہی اصل نوجوان ہیں، مستقبل اوراس کی دائمی عظمت وشرافت ہمارے ہی لیے ہے، دین ہمارے دلوں میں پیوست ہے، اور نور ایمان ہماری آنکھوں میں جاں گزیں ہے، حق ہمارے ہی ساتھ ہے، اور ہم ہی اصل نوجوان ہیں، مستقبل اوراس کی دائمی عظمت وشرافت ہمارے ہی لیے ہے)۔

اللہ ربّ العزت نے اپنی کتاب میں ایسے نوجوانوں کی یوں تعریف کی ہے کہ: "إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى، وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ، إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلٰهاً لَقَدْ قُلْنَا إِذاً شَطَطاً" (وہ چند نوجوان تھے، جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو مزید سوجھ بوجھ سے نوازا، اوراس وقت ہم نے ان کے دلوں کو طاقت دی جب وہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہمارا رب! آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، اس کے سوا ہم کسی معبود کو بالکل نہیں پکارتے، اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم نے ضرور بڑی لچر بات کہی"۔

ان تمام حقائق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زندگی کے سلسلہ میں نوجوانوں کا کردار نہایت ہی اہمیت کا حامل رہا ہے، کیوں کہ ان کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ ایمان کی مضبوطی اور شمع الٰہی کو بیک وقت تھامے رکھیں اور یہ کہ خالق ارض وسماء کی طرف دعوت دینے اوراس کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے میں بےخوفی اور عزم وجواں مردی کا ثبوت دیں، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام بھی نوجوان طبقہ ہی سے تھے۔ جن میں حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام ہیں، اسی طرح ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے قائدین نوجوانوں میں سے ہی تھے، اور تاریخ شاہد ہے کہ سیف الدین قطز جس نے تاتاریوں سے جنگ کی وہ عالی حوصلہ نوجوان ہی تھا، جن کا مشہور قول ہے کہ اگر ہم نوجوانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی تو پھر کون کرے گا؟

نوجوان طبقہ کا ایک پہلو تو یہ ہے، اور دوسرا بدنما پہلو جس کو ایک طبقہ اختیار کیے ہوئے ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو انسانیت سوز جرائم کے لیڈران کے ہاتھوں فروخت کردیتے ہیں، ان کے اشاروں پر چلنے کا عہد وپیمان کرلیتے ہیں، اور ہر طرح کی رکاوٹوں کے باوجود ان کے عزائم کو نافذ کرتے ہیں، جس کے سبب کبھی کسی معصوم کے قتل کا واقعہ پیش آتا ہے تو کبھی کسی کی لاش تالاب اور نہر کے کنارے دور دراز مقام پر پڑی نظر آتی ہے، اور کبھی کسی معصوم اور ننھی سی بچّی کو اغوا کرکے زبردستی اس کے ساتھ وحشیانہ اور گھناؤنی حرکت کی جاتی ہے، اوراس کی چیخ وپکار کو کوئی سننے والا بھی نہیں ہوتا ہے، پھر جب ان درندہ صفت لوگوں کی خواہش پوری ہوجاتی ہے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کس دور دراز جگہ پر پھینک ڈالتے ہیں، اور جو کرسی اقتدار پر متمکن ہیں وہ اپنی دشمنی کی آگ اس طرح بجھاتے ہیں کہ پس پردہ کسی غنڈہ کو کرایہ پر لے کر اپنے دشمن کو قتل کروادیتے ہیں، اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی، اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکومت کے افراد حزب مخالف کو کچلنے کے لیے باضابطہ طور پر میٹنگ منعقد کرتے ہیں۔ اور ان نوجوان غنڈوں کے ذریعہ خوف ودہشت کی فضا قائم کرتے ہیں جو معمولی رقم پر اپنے ضمیر کو بیچ دیتے ہیں، اور جنھیں طرح طرح کے جرائم اور خفیہ سازش رچنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اور آج کل کے معاشروں میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے جو لوگ انسانیت سوز امور کو انجام دینے پر مامور ہیں، اگر کوئی مسلمان دین وعقائد میں ان سے اختلاف کرتا ہے تو وہ انھیں لات، گھونسوں سے مار کر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، آج کل جسے ہجومی تشدد یا ماب لنچنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آج نوجوانوں کی صلاحیت کو غلط طریقہ پر استعمال کیا جارہا ہے، ان کی طاقتوں کو بالکل معمولی اور گھٹیا قسم کے مقاصد کے حصول میں صرف کیا جارہا ہے، اور یہ وہی شخص کرتا ہے جس کے اندر سے انسانیت کی خیرخواہی کا جذبہ بالکل مفقود ہوچکا ہوتا ہے جو خونخوار بھیڑیے کی زندگی گزارتا ہے، بلکہ یہ کہا جائے کہ انسانیت کی تمام حدوں کو پار کرکے حیوانیت وبہیمیت کے آخری درجہ کو پہنچ جاتا ہے: "أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ" (وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں؛ بلکہ ان سے گرے گزرے ہیں)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ربّ العزت کے اس قول: "إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ، فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ، إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً"، کا مصداق وہی شخص ہوسکتا ہے جو آغاز جوانی ہی سے اس عظیم امانت کے بار کو اٹھانے کے لائق بھی ہو، اور یہ وہ نوجوان ہے جو اس عظیم ذمہ داری کے سامنے یہ کہہ کر سرِ تسلیم خم کردیتا ہے کہ "بين أذني وعاتقي" (میں اس امانت کا بار اٹھانے کے لیے تیار ہوں)، لہٰذا اللہ ربّ العزت بھی ان کی پیش کش پر مدد کی امید دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ: "أما إذا تحملت فسأعينك" (واقعی اگر تم اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار ہو تو میں یقیناً تمہاری مدد کروں گا)۔

اس آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اس عظیم امانت کا بار وہی اٹھا سکتا ہے............

............بقیہ صفحہ ۱۵/ پر

چشم کشا

اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو صلاحیتیں رکھی ہیں، اس کے اعتبار سے وہ ایک کائنات ہے، اس میں خیر بھی ہے اور شر بھی، جب وہ خیر کے راستے پر آگے آتا ہے تو رشکِ ملائکہ بن جاتا ہے اور جب شر کے راستوں کو اختیار کرتا ہے تو جانوروں اور درندوں کو شرما دیتا ہے، جب جب وہ نبیوں کے راستے سے ہٹتا ہے تو اسفل سافلین میں جا پہنچتا ہے، اس کے اندر کے درندے سانپ اور بچھو اپنا کام کرنے لگتے ہیں، پھر جانوروں کا یہ مزاج جب انسانی عقل کی رہنمائی حاصل کر لیتا ہے تو ظلم وستم کے سارے حدود پار کر جاتا ہے، وہ انسان پھر انسان کا صرف پتلہ رہ جاتا ہے؛ لیکن اس کے اندر کے درندے سانپ، بچھو، شیر، چیتے چیرنے پھاڑنے کے لیے اور ڈنک مارنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

جانور کہیں پلاننگ کرتے نظر نہیں آتے، وہ کوئی سنگٹھن نہیں بناتے، کبھی نہیں سنا کہ شیروں نے مل کر کسی شہر پر حملہ کر دیا ہو، یا سانپوں کی جمعیت نے ایک ساتھ کہیں ہلّہ بول دیا ہو، وہ تو اتفاقاً کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں اور عام طور پر جب کوئی ان پر حملہ آور ہو تو وہ نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کرتے ہیں؛ لیکن انسان کے اندر کے درندے انسانی عقل کے ساتھ آبادیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں، ملک کے ملک تہس نہس کر دیتے ہیں، بچوں اور عورتوں کو بھی روندتے چلے جاتے ہیں اور کہیں بھی ان کے ظلم کی پیاس نہیں بجھتی۔

آج دنیا میں ایسے درندہ صفت انسانوں کی ایک بھیڑ ہے جو جنگل راج قائم کرنا چاہتی ہے، یہ وہ انسان ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے بے بہرہ؛ بلکہ اس کے سخت مخالف ہیں، یہ درندے ہر قوم میں ہو سکتے ہیں، اس وقت خاص طور پر قوم یہود جس کو انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہونے کا دعویٰ ہے، سب سے بڑھ کر نبیوں کی تعلیمات سے دور نظر آتی ہے، اس قوم نے اپنے سازشی ذہن سے ہمیشہ دنیا کو مصیبت میں ڈالا اور اس وقت مشرق وسطیٰ میں اس نے جو قیامت ڈھائی ہے وہ انسانی تاریخ کی ایک بھیانک داستان شمار کی جائے گی۔

افسوس ہے کہ نام نہاد مسلمانوں میں بھی کچھ ایسے درندہ صفت انسان نظر آتے ہیں، ''سیریا'' کی موجودہ صورت نے گذشتہ پچاس سالوں کا پردہ جس طرح چاک کیا ہے اس سے ہر انسان کا سر شرم سے جھک جائے۔

اس ظلم وستم کی دنیا میں افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں جو اس پر راضی ہیں، کہیں خون کی ندیاں بہائی جا رہی ہیں، انسان جلائے جا رہے ہیں، بچوں اور عورتوں کے پرخچے اڑائے جا رہے ہیں، تو کہیں رقص وسرود کی محفلیں سجائی جا رہی ہیں اور جام کے جام لنڈھائے جا رہے ہیں، شراب وکباب کے دور چل رہے ہیں۔

افسوس ہے اس امت پر جس کے پاس انسانیت کا آخری نظام ہے، نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات واخلاق ہیں اور بالائے افسوس ان پر جو سرزمین عرب میں ظلم وستم کے کانٹے اگا رہے ہیں، عریانیت وفحاشی کے نالے بہا رہے ہیں، جہاں سے انسانوں کو انسانیت کا سبق ملا، ہدایت کا راستہ ملا، جہاں سے صبح صادق کی پو پھوٹی اور ساری دنیا کو اس سے روشنی ملی، آج وہاں:

اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

☆☆☆☆☆

راہِ عمل

آخری قسط

مکاتب، اسلامی اسکول اور دینی مدارس

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اُردو زبان میں اسلامی علوم کا سرمایہ اتنی بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے کہ سوائے عربی زبان کے کوئی زبان نہیں جو اتنی مال دار اور صاحبِ ثروت ہو، تفسیر، قرآن وحدیث کے ترجمے، مسنون حدیث کی شرحیں، فقہ اور فقہی کتابوں کے ترجمے، سیرت، اسلامی تاریخ، غرض تمام ہی اسلامی علوم پر اردو زبان میں ایک عظیم الشان کتب خانہ تیار ہو چکا ہے، ایک زمانہ میں عربی کے بعد سب سے زیادہ اسلامی لٹریچر فارسی زبان میں تھا؛ لیکن اب اُردو نے فارسی پر سبقت حاصل کرلی ہے۔

اگر ہمارے بچے (جو عربی اور فارسی زبان سے بھی واقف نہیں ہیں) اُردو زبان سے بھی نابلد رہ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت ہی عظیم اسلامی سرمایہ سے محروم ہو جائیں گے، اسلامی لٹریچر سے ان کا رابطہ کٹ کر رہ جائے گا، اور اپنے سلف صالحین اور بزرگوں سے اُن کا رشتہ منقطع ہو جائے گا، اسلام کے بارے میں یا تو ان کو کوئی واقفیت اور آگہی نہیں رہے گی، یا وہ اپنی معلومات کے لیے ان لوگوں کی تحریروں اور کتابوں پر انحصار کریں گے، جو حقیقت میں اسلام کے معاند ہیں اور جن سے اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کی توقع نہیں کی جاسکتی؛ اس لیے مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں اُردو زبان کی تعلیم وقت کی نہایت اہم ضرورت ہے، اور اس سے چشم پوشی برتنا آنے والی نسلوں سے محرومی کو گوارا کرنے کے مترادف ہے، یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ جو لوگ اُردو زبان کے تحفظ کی تحریک چلاتے ہیں، دین دار ہیں، دینی علوم سے وابستہ ہیں، اردو زبان کی روٹی کھاتے ہیں، اردو میں وعظ وتقریر اور شعر وسخن ان کا امتیاز ہے، خود ان کے بچے اُردو کو ''اچھوت'' سمجھتے ہیں؛ اس لیے ضرورت تو اس بات کی ہے کہ اردو ذریعہ تعلیم کے زیادہ سے زیادہ معیاری اسکول قائم کیے جائیں؛ لیکن اگر اپنے اندر اتنی جرأت نہ پاتے ہوں، تو خواہ ذریعہ تعلیم انگریزی ہو، ثانوی زبان ہی کی حیثیت سے کم سے کم اردو کو داخل نصاب کریں، اس کے لیے اچھے تربیت یافتہ اساتذہ رکھیں اور اس کو پوری اہمیت دیتے ہوئے پڑھائیں، یہ موجودہ حالات میں آئندہ نسلوں کو اسلام پر باقی رکھنے اور مسلمان بچوں کا اسلام سے رشتہ استوار رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

(و) عصری درس گاہوں کے طلبہ کی اسلامی تربیت اور ذہن سازی میں دینی مدارس بھی اہم کردار کر سکتے ہیں، اگر دینی مدارس ابتدائی مرحلہ میں پہلی جماعت سے ساتویں جماعت تک سرکاری نصاب کے ساتھ اسلامیات اور قرآن مجید پڑھ لیں، دو پارے حفظ کرلیں، سیرت اور دینیات کی کچھ کتابیں پڑھ لیں، نیز اسلامی عقائد اور تاریخ پر بھی کوئی کتاب ان کی ذہنی استعداد کے مطابق پڑھا دی جائے اور تربیت کا اسلامی ماحول ان کو دیا جائے، تو یہ نہایت ہی مبارک اور نافع قدم ہوگا۔

یہ تو اُن بچوں اور بچیوں کے مسائل کا حل ہے جو پوری طرح عصری تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن ہمارے دینی مدارس کو بھی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی راہ نکالنی چاہیے کہ مدرسہ میں پڑھنے والے بچے عصری علوم سے ناآشنا نہ رہ جائیں، علماء کے اپنے عہد کے تقاضوں سے باخبر بنانے کے لیے مدارس کو اپنے نظام میں کچھ تبدیلیاں لانے کی بھی ضرورت ہے، اس میں سب سے اہم مسئلہ زبان کا ہے، انگریزی زبان اس وقت عالمی رابطہ کی زبان ہے، یہ زبان نہ صرف غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے ضروری ہے؛ بلکہ خود مسلمانوں کی نئی نسل بھی تیزی سے اُردو کی گرفت سے باہر ہوتی جارہی ہے؛ اس لیے ہمیں ایک طرف اردو زبان کی ترویج کی کوشش کرنی چاہیے، اور دوسری طرف علماء کو انگریزی زبان سے آراستہ کرنا چاہیے، یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ آج اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا جارہا ہے اور علمی وفکری جہت سے دین حق پر جو یلغار ہو رہی ہے، وہ زیادہ تر اسی زبان میں ہے، اگر علماء اس زبان کے سمجھنے اور اسی میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کے لائق نہ ہو سکے تو وہ اسلام کی حفاظت واشاعت کا فریضہ صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس کو نظر انداز کرنا چڑھتے سورج سے آنکھیں موندنے کے مترادف ہوگا، ایک صاحبِ علم نے لکھا ہے کہ انگریزی زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے علماء اس صدی میں مقام احترام پر تو فائز ہوئے؛ لیکن مقام قیادت پر فائز نہیں ہو سکے، میرا خیال ہے کہ یہ بات بڑی حد تک درست ہے۔

زبان محض ایک ذریعۂ اظہار ہے، اس کا صحیح وغلط اور مناسب ونامناسب استعمال مفید یا مضر ہوا کرتا ہے، کوئی بھی زبان اسلام کی نگاہ میں

بذات خود ناپسندیدہ نہیں؛ اس لیے انگریزی زبان پر دسترس آج وقت کی اہم ضرورت ہے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیوبند کے ابتدائی نصاب تعلیم میں سنسکرت کو بھی داخل نصاب کیا تھا، یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علماء نے کبھی انگریزی زبان کی مخالفت نہیں کی، سرسید احمد خان مرحوم کے بعض افکار جمہورِ اُمت کے خلاف تھے، اور وہ انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی تہذیب وثقافت کی طرف بھی جھکاؤ رکھتے تھے، علماء نے اس میلان ورجحان سے اختلاف کیا تھا، موجودہ حالت میں خاص طور پر انگریزی زبان کی ایک خاص اہمیت ہوگئی ہے، جس سے کسی بھی طرح صَرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

انگریزی کے علاوہ معاشیات، سیاسیات کی مبادی، تاریخ، جغرافیہ اور حساب وغیرہ کے بارے میں بھی ضروری حد تک آگہی علماء کے لیے ضروری ہے؛ اس لیے کہ بہت سے شرعی مسائل اور دینی حقائق ان ہی مضامین سے متعلق ہیں۔

ان مضامین کے لیے جگہ نکالنے کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ موجودہ نظام تعلیم میں ششم عربی تک چھ کی بجائے سات یا آٹھ گھنٹیاں کر دی جائیں اور یہ زائد گھنٹیاں ان مضامین کے لیے رکھی جائیں، اور اس کے لیے کچھ اور گنجائش پیدا کرنے کی غرض سے منطق اور فلسفہ کی قدیم کتابوں کو اصطلاحات کی شرح ووضاحت تک محدود کر دیا جائے، جیسے: منطق میں مرقات، شرح تہذیب، قطبی اور سلم العلوم اکثر مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، گویا چار سال یہ مضمون پڑھائے جاتے ہیں، اسی طرح قدیم فلسفہ میں ہدایۃ الحکمۃ، ہدیہ سعیدیہ اور میبذی کے اسباق ہوتے ہیں، ان تین کتابوں کے لیے دو سال میں ایک ایک گھنٹی دی جاتی ہے، اب اگر منطق کے لیے دو گھنٹی اور قدیم فلسفہ کے لیے ایک گھنٹی پر اکتفاء کر دیا جائے تو مزید تین گھنٹیاں نکل آتی ہیں، اسی طرح عربی کی ابتدائی جماعتوں میں بعض اسباق جو روزانہ ہوا کرتے ہیں، اگر ہفتہ میں چار دن ہوں تب بھی کتاب پوری ہوسکتی ہے، اس طرح ہفتہ میں دو دن کا وقت خالی کیا جاسکتا ہے، اگر ہم اس طرح وقت نکالیں تو معمولی تبدیلی کے ساتھ ان ضروری مضامین کے لیے وقت فراہم ہوسکتا ہے۔

دوسری اور اس سے اعلیٰ صورت یہ ہے کہ میٹرک تک تعلیم ہر طالب علم کو دی جائے؛ البتہ اس میں شروع سے تین گھنٹیاں اسلامیات کے لیے لے لی جائیں اور میٹرک کے بعد جیسے پانچ سال میں انٹر اور گریجویشن ہوتا ہے، اسی طرح پانچ سال میں عالم کورس کو مکمل کیا جائے، اگر میٹرک تک عربی نحو وصرف، ادب، ضروری فقہی مسائل وغیرہ کی مبادیات طلبہ پڑھ چکے ہوں تو اس پانچ سال میں جو عربی واسلامی علوم ہی کے لیے مخصوص ہوں، بہ سہولت درسِ نظامی کی تکمیل کر سکتے ہیں، اور چوں کہ یہ پوری تعلیم مدرسہ کے ماحول میں ہوگی؛ اس لیے اسلامی خطوط پر اُن کے ذہن ومزاج کی نشو ونما ہوتی رہے گی، مدارس کا موجودہ نصاب نو سالہ عالم کورس اور چار تا پانچ سالہ شعبۂ ابتدائی پر مشتمل ہے، گویا تیرہ چودہ سال کا عرصہ اس کورس کی تکمیل پر لگتا ہے، اور اگر میٹرک کے ساتھ عالم کورس ہو تو اس کی مدتِ تعلیم ۱۵؍سال ہو جائے گی، یعنی ۱۹-۲۰؍سال کے عرصہ میں لڑکے میٹرک کرنے کے ساتھ ساتھ عالم کورس مکمل کر لیں گے، گویا یہ اسلامی علوم میں گریجویشن کرنے کے مماثل ہوگا، اب جو طلبہ باصلاحیت ہوں وہ تخصص اور تحقیق کے شعبوں میں پڑھ سکتے ہیں، یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے اور اس طرح جدید وقدیم کے درمیان جو فاصلہ محسوس کیا جاتا ہے، اسے بہتر طریقہ پر پُر کیا جاسکے گا۔

نئی نسلوں کو ایمان ودین پر باقی رکھنے کے لیے مدارس اور اسکولوں سے بڑھ کر مکاتب کا کردار ہے، افسوس کہ اس جہت سے دیہاتوں کے حالات بہت خراب ہیں، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ علماء کی ساری تعلیمی اور دعوتی سرگرمیاں شہروں تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں، شہر میں نہ صرف یہ کہ ہمارے دینی تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ بعض مقامات پر زائد از ضرورت ادارے قائم ہو رہے ہیں، چھوٹے چھوٹے محلوں میں ایک سے زیادہ درسگاہیں قائم ہیں، وہاں طلبہ کی تعداد اتنی کم ہے کہ ایک ادارہ ان کے لیے کافی تھا، پھر اُن اداروں میں باہم کمرشیل اداروں کی طرح رقابت اور منافست کی کیفیت بھی ہے، بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کمیٹی میں اختلاف ہوگیا، ایک گروہ مدرسہ پر قابض ہوگیا، دوسرے گروہ نے قریب ہی دوسرا مدرسہ کھول لیا، گویا ادارے کسی ضرورت یا خدمت کی کسی نئی جہت کے لیے قائم کرنے کے بجائے محض مقابلہ اور تفاخر کے جذبہ سے بھی قائم کیے جا رہے ہیں، یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ ایک دینی کام دینی جذبہ سے خالی ہو کر انجام دیا جائے!

اس کے برخلاف دیہاتوں کا حال دیکھئے، بہت سے دیہات ایسے ہیں، جہاں کوئی نماز پڑھانے والا میسر نہیں اور بہت سی لاشیں بغیر نماز کے دفن کر دی جاتی ہیں، کہیں قادیانی حملہ زن ہیں، کہیں ہندو فرقہ پرست تنظیمیں مسلمانوں کو مرتد کرنے پر کمر بستہ ہیں، کہیں عیسائی مشنریز

ایمان پر ڈاکہ ڈال رہی ہیں، جہالت کا حال یہ ہے کہ محرم رشتوں کا پاس ولحاظ بھی اُٹھ چکا ہے، ہندو رسم ورواج سے متأثر ہوکر ماموں بھانجی میں نکاح ہوتا ہے، اور چچا زاد بھائی سے نکاح نہیں ہوتا، مسلمان طرح طرح کی اخلاقی اور سماجی برائیوں میں مبتلا ہیں، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص تک نہیں پڑھ سکتے؛ بلکہ کتنے ہی لوگ ہیں، جو کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت سے بھی محروم ہیں، آخر اُن ناواقف مسلمانوں کی اصلاح وہدایت کی ذمہ داری کن پر ہے، کیا علماء اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ دیہاتوں میں مکاتب کے قیام کی ضرورت ہے، ان مکاتب میں چھوٹے بچوں کی تعلیم بھی ہو اور تعلیم بالغان کا بھی انتظام ہو، جس کے ذریعہ ضروریات دین سے لوگ واقف ہوجائیں، سب سے اہم مسئلہ ان دیہاتوں میں کام کرنے والے لوگوں کا ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہمارے فضلاء شہر کی رونقوں کو چھوڑ کر دیہاتوں میں جانے اور کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، یہاں تک کہ جو لوگ دیہاتوں میں پیدا ہوئے اور دیہات کے ماحول میں ان کی نشو ونما ہوئی، وہ بھی شہر کی آب وتاب پر اس قدر ریجھ جاتے ہیں کہ دیہات کی طرف واپس جانے کو تیار نہیں ہوتے، یہ نہایت ہی افسوس ناک صورتِ حال ہے، مقام حیا ہے کہ عیسائی مشنریز تو یورپ اور امریکہ سے آکر ہندوستان کے پسماندہ ترین دیہاتوں میں کام کریں اور عیسائیت کو پھیلانے میں اپنی پوری قوت صرف کردیں، اس کا نتیجہ آپ آندھرا اور بعض اور علاقوں کے دیہاتوں میں جاکر دیکھ سکتے ہیں، جہاں جگہ جگہ نو تعمیر شدہ چرچ آپ کو نظر آئیں گے، قادیانی ختم نبوت کے باغی ہیں اور اسلام کو سخت نقصان پہنچانے کے درپے ہیں؛ لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ کشمیر اور پنجاب جیسے دور دراز علاقوں سے ان کے مبلغین آتے ہیں اور ایسے گاؤں میں کام کرتے ہیں، جہاں موٹر اور بس کے پہنچنے کے لیے راستے تک میسر نہیں ہیں؛ بلکہ بعض اوقات یہ گورے چٹے نوجوان دیہات کی کالی کلوٹی، اَن پڑھ اور غیر مہذب لڑکیوں سے نکاح بھی کرلیتے ہیں؛ تاکہ انہیں جائے پناہ میسر آجائے اور وہ اسے اپنے مشن کے لیے تیار کریں؛ لیکن ہمارے فضلاء جو یقیناً حاملین حق ہیں اور جن کا مقصدِ زندگی ہی اسلام کی حفاظت واشاعت ہے، وہ ایسے مقامات پر جانے اور شہر وقصبات سے آگے قدم بڑھانے کے لیے تیار نہیں۔

مدارس عام درس گاہوں کی طرح محض درس گاہ نہیں؛ بلکہ حفاظت اسلام کی ایک زندہ تحریک ہے اور اگر یہ مدارس کسب معاش کے پیشوں میں سے ایک پیشہ نہیں؛ بلکہ یہ آخرت کی ''تجارت رابحہ'' ہیں، اگر ہم احیاء اسلام کی مساعی کا ایک حصہ ہیں اور اس کاروانِ عزیمت سے نسبت رکھتے ہیں، جس نے اس ملک میں دین کی بقاء وارتقاء کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی، تو یہ ہمارے لیے ایک امتحان ہے کہ کیا ہم زندگی کی معمولی سہولتوں کی قربانی کو بھی دین اور اُمت کے لیے گوارا نہیں کرسکتے؟ کیا ہم ان اہل باطل سے بھی گئے گزرے ہیں، جو اپنے فاسد عقیدے کی سوغات لے کر سماج کو بے روح بنانا چاہتے ہیں! یہ وقت کا نہایت اہم مسئلہ ہے کہ فضلاء مدارس دیہاتوں میں کام کریں، وہاں تعلیمی ادارے قائم کرنے کو تیار ہوں اور اس کو اپنا فریضۂ منصبی سمجھیں۔

☆☆☆☆☆

.... بقیہ صفحہ ۱۱ کا

جو طاقتور اور جوان ہو، اور یہ دین اسلام، احکام الٰہی اور خالقِ حقیقی کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کردینے، ان کے دربار میں شکر وامتنان کا ہدیہ پیش کرنے، اور اللہ کے پسندیدہ بندوں، انبیاء ورسل پر نازل ہونے والی وحی کی روشنی میں تمام احکام کو بجالانے کی امانت کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آج انسان نے اس عظیم امانت کو پس پشت ڈال دیا ہے، کل جو امانت سپرد کرکے اللہ نے دنیا میں ان کو بلند مقام عطا کیا، اور اشرف المخلوقات بنایا، اور جس کی بدولت آخرت میں ایسی نعمتیں رکھی ہیں، جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی کے وہم وگمان میں اس کا خیال گذرا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: روزِ قیامت کسی بندہ کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں پائیں گے، حتی کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے: عمر کے بارے میں کہ کہاں صرف کی، جوانی کے بارے میں کہ کہاں ضائع کی، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا [سنن ترمذی]۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ نے کسی بندے کو علم نہیں دیا مگر جوانی کی حالت میں''، اور ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''تمام بھلائی جوانی ہی میں حاصل ہوتی ہے''، اور اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے: ''وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ'' کہ آپ فرمادیجیے کہ تم لوگ عمل کرتے رہو، عنقریب (قیامت میں) اللہ، اس کے رسول، اور تمام مؤمنین تمہارے اعمال کا مشاہدہ کریں گے۔ واللّٰہ الموفق وهو يهدي إلى سواء السبيل.

☆☆☆☆☆

تعارف وتبصرہ

'دنیا کو خوب دیکھا' - ایک مطالعہ

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

مولانا عتیق احمد بستوی کو لوگ ایک فقیہ اور عالم دین کی حیثیت سے ہی جانتے تھے، ابھی کچھ دن پہلے ان کی کتاب ''تاریخ دولت عثمانیہ - ترکی کی تاریخ'' اہل نظر کے سامنے آئی۔ اس کتاب نے اہل علم کے دلوں میں جگہ بنالی، اب لوگ ان کو ایک مؤرخ کی حیثیت سے بھی جانتے ہیں۔ لوگوں نے ادیب کو شاعر بنتے اور شاعر کو ادیب بنتے تو بہت دیکھا ہے؛ لیکن فقیہ کو مؤرخ بنتے ہوئے کم دیکھا ہے۔ اب اس مؤرخ نے سفرنامے کے ادب میں بھی قدم رکھ دیا ہے اور اس کی گل افشانیٔ گفتار سے ایک بہترین سفرنامہ وجود میں آگیا ہے۔ مولانا عتیق احمد بستوی کا قلم حرمین شریفین کی وادیوں سے گزرا اور مقاماتِ حرم نے ان کے حریم دل پر اثر ڈالا ہے۔ اس کا اظہار ان کے شگفتہ قلم سے ہوگیا ہے؛ لیکن حرمین شریفین کے سفر کے بعد مسافر جب شام پہنچا ہے تو اس کا قلم انشاء کے پھول کھلاتا ہے اور شوقِ فراواں کا اظہار کرتا ہے۔ انہوں نے اس سرزمین شام پر قدم رکھا جس کی صبح جاں نواز اب نمودار ہوئی ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی ایک معتبر عالم دین، مؤرخ اور دیدہ ور محقق ہیں۔ انہوں نے شام کے علماء سے ملاقات کی اور وہاں کے کتب خانوں کی زیارت کی اور نادر مخطوطات کا تذکرہ کیا۔ ایک عام آدمی کے سفرنامے اور ایک محقق عالم دین کے سفرنامے کے درمیان یہی فرق ہوتا ہے۔ مولانا عتیق احمد بستوی جب شام پہنچتے ہیں تو وہاں کے کتب خانوں میں داخل ہوتے ہیں اور نایاب مخطوطات کے بارے میں نوٹس تیار کرتے ہیں، علماء سے ملاقاتیں کرتے ہیں۔ شیخ احمد کفتارو اور سعید بوطی اور بہت سے دوسرے شیوخ سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔ ان حضرات سے راقم سطور کی بھی ملاقات ہوچکی ہے، ملاقات کا ذکر اس نے اپنے سفرنامہ ''دنیا کو خوب دیکھا'' میں کیا ہے اور یہ کتاب قاضی پبلشرز دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی کے شام کے سفر میں سب سے زیادہ تذکرہ اگر کسی ہندوستانی شخصیت کا آیا ہے تو وہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا آیا ہے، کیونکہ شام کے علماء اور اعیان ان سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کی کتابیں پڑھتے تھے، ایسا ہی تجربہ راقم سطور کو بھی ہوا، جب وہ شام کے شہر حلب میں اس وقت گیا تھا جب مولانا علی میاں ندویؒ کا انتقال ہو چکا تھا، جب حلب کے ایک عالم دین نے راقم سطور سے مولانا علی میاںؒ کے بارے میں پوچھا تو ان کو مولانا کے انتقال کی خبر دی گئی تو وہ آبدیدہ ہوگئے اور رونے لگے۔ حالاں کہ انہوں نے مولانا علی میاں ندویؒ کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا، صرف اُن کی کتابیں پڑھی تھی، ایسی محبوبیت شاید ہی کسی شخصیت کو حاصل ہوئی ہو، ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر مجھے کسی کا یہ شعر یاد آ گیا:

ایک آنسو اور اس میں داستانِ صد ملال
کتنے دریا قطرۂ شبنم میں لہرانے لگے

مولانا علی میاں ندویؒ کی شخصیت بھی کیا شخصیت تھی؟ کوئی ان کو بہت بڑا عارف اور صوفی سمجھتا ہے، کوئی اُن کو مؤرخ اور ادیب گردانتا ہے، کوئی اُن کو عربی زبان کا بہترین ادیب، خطیب اور انشاء پرداز سمجھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ان کے 'پیام انسانیت' کی تحریک بھی غیر معمولی تحریک تھی، اس کا اصل مقصد ہندوستان میں دعوت دین کا پلیٹ فارم تیار کرنا تھا، کیوں کہ ہر پیغمبر نہ صرف اپنی قوم کی زبان سے واقف ہوتا ہے؛ بلکہ اس کے اکابر واصاغر سب سے نام بنام واقف ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ان کے درمیان میں پہنچ کر کہتا ہے: "لا تعبدوا إلا إياه".

ہندوستان کے علماء اور داعیانِ دین نہ تو لسانِ قوم سے واقف رہے ہیں اور نہ قوم سے، اس لیے ان کی اصلاح کی کوششیں مسلمانوں کے درمیان محدود رہی ہیں، آج بھی برادرانِ وطن تک دین کو پہنچانے کا وہی راستہ بہتر ہے جسے مولانا علی میاں ندویؒ نے اختیار کیا تھا، یعنی پہلے ان کو اسلام اور مسلمانوں سے مانوس کرنا، میرے نزدیک مولاناؒ کا یہ کام وہ عظیم کام ہے جس کی توفیق گزشتہ صدیوں میں بہت کم لوگوں کو مل سکی ہے۔ مولاناؒ کے انتقال کے بعد مولانا وحید الدین خان نے ان پر مضمون لکھا تھا، جس کا نام تھا ''صدی کی شخصیت'' اور سچ یہ ہے کہ مولانا صدی کی نہیں ''صدیوں کی شخصیت'' تھے۔ مولانا کو برادرانِ وطن تک دین اسلام کو پہونچانے کی بہت فکر تھی اور کہا کرتے تھے کہ اگر دین اسلام کو برادرانِ وطن تک نہیں پہونچایا

گیا تو یہاں اسپین کی تاریخ دہرائی جائے گی۔

شام کے سفر کے بعد مولانا عتیق احمد بستوی کا راہوارِ قلم یورپ کے قلب لندن کی گزرگاہوں تک پہنچتا ہے، مولانا عتیق احمد بستوی لندن کے جمال فتنہ انگیز اور حسن دل آویز سے کم متاثر ہوتے ہیں، وہاں بھی وہ اہل دانش اور اہل علم سے ملاقاتیں کرتے ہیں، لندن کی چکاچوند سے ان کی نظر خیرہ نہیں ہوتی ہے، وہاں بھی وہ برٹش کونسل لائبریری اور انڈیا آفس میں پہنچ کر اپنی ذوق کی کتابیں نکلواتے ہیں اور ان سے نوٹس تیار کرتے ہیں۔ اقبال نے اپنے بارے میں کہا تھا:

دل میں لندن کی ہوس لب پر ترے ذکر حجاز

مولانا عتیق احمد بستوی کی تحریروں سے لندن کی ہوس کا کوئی اظہار نہیں ہوتا ہے، ہوس اگر ہے تو کتابوں کی، کتاب خانوں کی اور علماء کی۔ اقبال نے ایک دوسری جگہ لندن اور پورے یورپ کے بارے میں اپنی کیفیت کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:

نشستم با نکویانِ فرنگی
ازاں بے سوز تر روزے نہ دیدم

مولانا عتیق احمد بستوی نے وہاں مشہور میوزیم کی بھی زیارت کی اور علماء سے ملے۔ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی جو اپنی صحت کی وجہ سے لندن میں جا کر مقیم ہو گئے تھے، ان سے بھی ملاقات کی۔ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی بڑے قابل، فاضل اور بہترین صحافی اور عالم دین تھے۔ انہوں نے آخر میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے جو مکتبہ الفرقان سے شائع ہو رہی ہے۔ یہ ان کا آخری تصنیفی اور علمی کام ہے اور انہیں شبلی کی زبان میں یہ کہنے کا حق تھا:

خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

☆☆☆☆☆

سیرت طیبہ کے سلسلۃ الذہب کا نیا شاہکار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمۃ للعالمین

تالیف: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ العالی

عہد حاضر میں محدثین ہند کی عظیم الشان روایات کے وارث و امین حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کی تصنیفی و تالیفی زندگی کی حاصل، سرور دو عالم ﷺ کی سیرت پاک سے روشنی اور رہنمائی کے لیے موجودہ عہد کے تقاضوں اور جدید انسانی معاشرہ و مزاج کی مناسبت سے حضور پاک ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی دلنشیں، دلنواز اور دلکش تشریح علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ کے سو سال بعد سیرت نگاری میں مجددانہ کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں خیر و برکت کی حامل یہ سیرت مصطفی عرب و عجم کے اہل نظر کی داد و تحسین کے مطابق:

۱ حضور ﷺ کی ذات اور سیرت پر لکھنے کا مطلب ہے کہ حرمین شریفین پر بھی قلم اٹھایا جائے، یہ وہ نکتہ ہے جسے ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے اس کتاب میں خاص طور پر ملحوظ رکھا۔
محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للع(ڈاکٹر شیخ عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی- سابق جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ)

۲ یہ سیرت پاک کے موضوع پر گراں قدر تصنیف ہے، میں اس کو شیخ ندوی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی اور فضل ربانی سمجھتا ہوں۔ (ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم- امام وخطیب مسجد حرام مکۃ المکرمہ)

۳ یہ جامع انسائیکلوپیڈیا ہے، مشرق و مغرب میں پوری امت اسلامیہ کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔
(ڈاکٹر ابولبابہ طاہر صالح حسین)

۴ یہ عظیم الشان کتاب جامعیت اور دلکشی میں بے مثال اور عظیم شاہکار ہے اور ایسی کتاب ہے جس میں افراط و تفریط دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا گیا ہے، زبان عصر حاضر کے فہم کے مطابق ہے۔
(ڈاکٹر موفق بن عبداللہ- استاذ حدیث جامعہ ام القریٰ)

۵ بنیادی خوبی یہ ہے کہ سیرت نبوی پر لکھنے کے لیے جن باتوں کا علم ضروری ہے اس میں صاحب کتاب کمال مہارت کے حامل ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ایمان و عقیدہ کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔ (مولانا سید محمد رابع ندوی)

دیدہ زیب کتابت، بہتر مجلد خوبصورت سرورق کے ساتھ تین جلدوں کا مکمل سیٹ حاصل کرنے کے لیے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی اور دیوبند اور ندوہ کے مشہور مکتبوں سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

پتہ: جامعہ بُکڈپو جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی
موبائل نمبر: 9450876465 9532829745
قیمت: 2000 خصوصی رعایت کے ساتھ قیمت: 750

یادِ رفتگاں

مولانا ڈاکٹر سید محی الدین طالب رحمہ اللہ

مولانا عبدالباسط محمد شرف الدین ندوی

حضرت مولانا ڈاکٹر محی الدین طالب رحمہ اللہ حضرت مولانا عبدالرشید رانی ساگری، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی اور حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی رحمہم اللہ کے منظور نظر رہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کے اولین خلفاء میں سے ہیں، انہیں تکیہ کلاں رائے بریلی کی مسجد میں ۱۹۷۱ء میں اجازت وخلافت ملی۔ مولانا محمود حسن حسنی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر مولانا محی الدین طالب صاحب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کے خلفاء ومجازین میں قدیم بھی ہیں اور ممتاز بھی، سلوک ومعرفت میں آپ نے حضرت رحمہ اللہ سے بڑا فیض حاصل کیا، اور یہ اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اس میدان میں کسب انوار کررہے تھے جب اس تعلق سے حضرت رحمہ اللہ سے کم ہی لوگ وابستہ تھے اور اس وقت مجاز ہوئے جب دو یا تین لوگ ہی ہوئے ہوں گے۔

[تعمیر حیات، ۲۵/ اپریل ۲۰۱۱ء صفحہ ۳۱]

حضرت مولانا محی الدین رحمہ اللہ ایک شریف النفس اور نفیس الطبع انسان ہونے کے ساتھ اچھی صلاحیت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں صالحیت اور صلاحیت کو جمع فرمادیا تھا۔ اگر تدریسی خدمات انجام دیتے رہتے تو ایک باکمال استاذ کی حیثیت سے معروف ہوتے، تحریر وتقریر کی صلاحیتوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے نوازا، زبان وبیان کی فصاحت کے ساتھ ادبی ذوق بھی ملا تھا۔

بسم اللہ کی ابتداء

حضرت مولانا ڈاکٹر سید محی الدین طالب رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۹۳۸ء میں اپنے وطن سانحہ، بیگوسرائے میں ہوئی چھ سات سال کی عمر میں تعلیم کی بسم اللہ ہوئی، جب آپ کی عمر دس سال کی ہوئی تو والد محترم جناب سعیدالدین صاحب- جو ایک کسان تھے مگر پڑھنے لکھنے کا اچھا ذوق رکھتے تھے- کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ یتیم ہوگئے، ظاہری طور پر کوئی سرپرستی بھی نہیں تھی۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم اپنے وطن سانحہ کے مدرسہ دارالعلوم معینیہ، سانحہ، بیگوسرائے میں ہوئی، اس دور میں یہ مدرسہ اپنے علاقہ کا بہت ہی اہم اور معروف ادارہ تھا، آپ کے خاص استاذ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی رحمہ اللہ تھے، وہ اس وقت اسی مدرسہ میں تدریسی وتربیتی خدمات انجام دے رہے تھے، اسی دور میں مفتی صاحب رحمہ اللہ نے دو اہم کتابیں ''اسلام کا نظام مساجد'' اور ''اسلام کا نظام عفت وعصمت'' تالیف فرمائی، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے شاگردوں پر خاص توجہ دیتے اور ان کی تعلیم کے ساتھ عملی تربیت بھی فرماتے رہتے تھے مختلف اوقات ومواقع کی دعائیں یاد کرادیا کرتے تھے، حضرت مولانا محی الدین رحمہ اللہ کا خود بیان ہے کہ ۱۵/ یا ۱۶/ سال جب میری عمر ہوئی تو حضرت مفتی صاحب نے اپنے سامنے بیٹھا کر وضو کرا کر وضو کا طریقہ اور نماز پڑھوا کر نماز کا طریقہ عملی طور پر بتایا اور سکھایا، جس میں فرائض وواجبات کے ساتھ سنن ومستحبات کی پوری رعایت رکھی گئی، پھر فرض کی جماعت میں اپنی موجودگی میں امامت کے لیے آگے بڑھادیا۔

اعلیٰ تعلیم

مولانا کو مفتی صاحب نے اپنے زیر تعلیم وتربیت رکھتے ہوئے آگے بڑھایا چھ سال تک مسلسل مفتی صاحب سے آپ نے پڑھا۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے مفتی صاحب نے اپنے ساتھ لے جاکر مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن میں داخلہ کرادیا، وہاں سے درمیان سال میں واپس آگئے، تو مفتی صاحب نے مشکوۃ شریف بھی وطن میں ہی پڑھادی اور بڑے اہتمام سے پڑھائی، پھر دوبارہ مفتاح العلوم جاکر تکمیل کی، وہاں دو سال رہے اور ۱۹۵۶ء میں فراغت ہوئی۔

اس کے بعد اس جذبہ کے تحت کہ دینی تعلیم کو معاش کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ معاش کے لئے دوسرا راستہ اختیار کریں، طب کی تعلیم کے لیے الہ آباد کا رخ کیا، مفتاح العلوم کی سند پر کلیۃ الطب میں داخلہ نہیں ہوسکا تو وہیں ایک مدرسہ مصباح العلوم جو بورڈ سے ملحق تھا، سے عالمیت کی تعلیم مکمل کی، جس کی سند پر کلیۃ الطب میں داخلہ ہوجاتا تھا۔

۱۹۶۲ء میں آپ دارالعلوم دیوبند گئے وہاں دورۂ حدیث کی درسگاہ میں شرکت کرکے سماعت کی، اس درسگاہ میں آپ کو محسوس ہوا کہ پورا ہال معطر ہے اور درو دیوار سے اللہ اللہ کی آواز آرہی ہے۔ مولانا فخرالدین رحمہ اللہ کے درس بخاری شریف اور علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ کے درس مسلم شریف میں

بالالتزام شریک ہوتے رہے، علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ کے درس مسلم شریف سے کافی متاثر ہوئے، دار العلوم میں ایک ہفتہ قیام رہا، اس دوران اپنے استاذ محترم مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی رحمہ اللہ کی ضیافت سے مستفید ہوتے رہے۔

ھائی اسکول برونی میں

۱۹۵۷ء میں عالمیت کی سند لے کر وطن واپس آئے تو برونی کے ایک ہائی اسکول میں اردو و فارسی کے مدرس کی جگہ خالی تھی وہاں کی رہنمائی ملی اور وہاں آپ کی بحالی ہوگئی؛ لیکن وہاں مشرکانہ ماحول تھا جو آپ کے دینی مزاج کے خلاف تھا اس لیے ایک سال گیارہ ماہ کسی طرح گزار کر علاحدگی اختیار کرلی، یہ ۱۹۵۸ء اور ۱۹۵۹ء کی بات ہے۔

حضرت رانی ساگری رحمہ اللہ کی خدمت میں

حضرت مولانا عبدالرشید رانی ساگری رحمہ اللہ- جو حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔- کا سفر ان علاقوں کا ہوتا رہتا تھا، تشریف لائے ہوئے تھے، ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ کو اپنے ساتھ بطور ایک خادم کے لے لیا، مولانا نے حضرت رانی ساگری رحمہ اللہ کی صحبت اختیار کرلی اور ان کے سفر و حضر کے رفیق بن گئے، ان کی خدمت کرتے ان کے سارے کاموں کی نگرانی کرتے، حضرت بھی کرم فرماتے اور خاص نگاہ رکھتے تھے، ان کے ہمراہ تقریباً پورے بہار کا سفر کیا اور انہیں کی نگرانی و تربیت میں کلٹی کی جامع مسجد میں رمضان المبارک کے عشرہ اخیر کا اعتکاف کیا، پھر انہیں کے ساتھ لگے رہے، حضرت رانی ساگری رحمہ اللہ خاموش طبیعت کے اور کم گو تھے، ۱۹۶۰ء میں پورے بہار کا پہلا تبلیغی اجتماع پوکھریا بیگوسرائے میں ہوا، حضرت رانی ساگری بھی یہاں تشریف لے آئے اور مولانا کی بھی مشغولیت ہوگئی۔

شجاع پور، مالدہ میں

۱۹۶۱ء میں امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمہ اللہ نے مولانا محی الدین صاحب کو مالدہ ضلع میں شجاع پور صدر مدرس بنا کر بھیج دیا تھا، وہاں اونچی کتابیں پڑھانے کو ملی تھیں، اس کا الحاق کلکتہ بورڈ سے تھا، جب حضرت رانی ساگری بیگوسرائے تشریف لائے، بڑے بھائی حضرت سے ملنے گئے، تو حضرت نے پوچھا طالب کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ ایک مدرسہ جو مالدہ میں ہے اور بورڈ سے ملحق ہے وہاں پڑھا رہے ہیں، انہوں نے ناگواری کا اظہار کیا اور کہا اس کو بلالو۔

حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی خدمت میں

۱۹۶۱ء میں غالباً جون کا مہینہ تھا، مولانا محی الدین صاحب مدظلہ مرکز نظام الدین سے ایک جماعت میں نکلے، جماعت کے افراد کی تعداد دس تھی اور رخ میوات کا ہوا، وہاں سے ہوتے ہوئے سہارن پور مظاہر العلوم پہنچے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، حضرت نے پوری جماعت کے لئے کھانے کی دعوت کردی، اسی سفر میں کسی نے بتایا کہ رائے پور میں ایک بزرگ رہتے ہیں، آپ کو ان سے ملنے کا شوق ہوا۔ رائے پور کا رخ کیا، سواری و پا پیادہ سفر کرتے ہوئے ظہر کے بعد سہ پہر کو رائے پور پہنچے، حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی دیدار سے مشرف ہوئے آپ وہیں حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ گئے، انہیں سے آپ کو بیعت ہونے کا شرف بھی نصیب ہوا، اسی خانقاہ میں بڑی بڑی بزرگ ہستیوں کی زیارت، ان سے ملاقات، استفادہ اور ان کی خدمت کے مواقع ملتے رہے۔ حضرت مولانا اکرام الحسن، حضرت مولانا انعام الحسن، حضرت مولانا محمد یوسف، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، حضرت مولانا قاری محمد طیب، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہم اللہ اور دیگر اکابر بزرگان دین اور علماء کرام اسی طرح پاکستان کے علمائے کرام اور حضرت رائے پوری کے عزیز و اقارب سے ملاقات اور ان حضرات کی خدمت کے مواقع یہاں ملتے رہے۔

حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی خدمت میں چار ماہ مستقل قیام کے بعد والدہ محترمہ کا خط پہنچا اور کرایہ کے لئے چالیس روپئے، مولانا کا بیان ہے کہ والد کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا، والدہ نے بڑی مشقت سے پالا تھا، اس لئے ان کی یاد مجھ کو تڑپا دیتی تھی اور جب وہ یاد کرلیں تو میں قابو میں نہیں رہ پاتا تھا، حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کو اس کی اطلاع دی، حضرت نے فرمایا کہ بہت جلد تیار ہوگئے، مزید فرمایا: حسن و فتح کو تم سوچو، اپنا فیصلہ خود کرو، میں جانے لگا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ جو وہیں موجود تھے اور سب کچھ سن رہے تھے میرا دامن پکڑ لیا اور فرمایا، حضرت کی اجازت نہیں ہے البتہ تمہارا اصرار ہے تو جاؤ اور والدہ سے مل کر جلد آجاؤ، جلد دوبارہ رائے پور جانے کی نوبت نہیں آسکی، جب کافی دنوں بعد رائے پور حاضری ہوئی تو حضرت رائے پوری رحمہ اللہ پاکستان کے سفر پر روانہ ہونے کے لیے تیار تھے، وہاں سے آکر لے جانے والوں اور رخصت کرنے والوں کے ہجوم میں دور سے ہی دیدار نصیب ہوا۔

حضرت رائے پوری رحمہ اللہ ہی کی خانقاہ میں پہلی بار مولانا محی الدین صاحب کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کی زیارت ہوئی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا، گرچہ نام پہلے سن چکے تھے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عرب وعجم کے مشائخ کو دیکھا مگر اپنے شیخ حضرت رائے پوری رحمہ اللہ جیسا کسی کو نہیں پایا۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی خدمت میں

رائے پور سے واپسی میں دیوبند جا کر سماعت حدیث کا شوق ہوا، مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ سے مصافحہ کے لئے گئے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے پہلے ہی کافی مانوس ہو چکے تھے، جب شیخ کے کمرہ میں پہنچے تو وہاں صرف حضرت شیخ اور مولانا یوسف صاحب موجود تھے، اجازت چاہی تو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے آپ سے خواہش کی کہ مظاہر علوم میں ہی رہ جائیں مگر آپ نے اپنی خواہش سے دیوبند کا سفر کرلیا اور حضرت شیخ کی بات نہ مانی جس کا انہیں افسوس رہا۔

تریا میں

رائے پور سے واپسی کے بعد آپ کو کسی سکون والی جگہ کی تلاش ہوئی، تریا، بیگوسرائے میں پچاس روپئے ماہانہ پر امامت کی ذمہ داری لے لی ساتھ ہی ۶۰ بچے اور بچیوں کو بھی تعلیم دیتے رہے، یہاں ۱۹۶۲ء سے لے کر ۱۹۶۹ء تک مسلسل آٹھ سال رہے۔

اُرَین میں

تریا کے بعد ۱۹۷۰ء میں آپ اُرَین جو لکھی سرائے کے قریب ہے کی مسجد میں امامت اور بچوں کو تعلیم دینے کی خدمت انجام دی، یہاں قادیانی، شیعہ اور اہل بدعت کا زور تھا، یہیں مرزا غلام احمد قادیانی کے ہندوستان میں نائب وزارت حسین رہتے تھے، اس نے ہی مونگیر، سہرسہ، بیگوسرائے کے علاقوں اور دیہات و قصبات سبھوں کو قادیانیت سے متاثر کر رکھا تھا، حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمہ اللہ نے ان علاقوں کو قادیانیت سے پاک وصاف کرنے میں بڑا کردار ادا فرمایا تھا۔

اُرَین کی مسجد میں جمعہ کے دن مولانا کی تقریر ہوتی تھی، تقریر بہت ہی جامع اور اچھی ہوتی، اس تقریر کو سننے کے لئے وزارت حسین صاحب کے دو صاحبزادے جو افریقہ رہتے تھے اور چھٹیوں میں آئے ہوئے تھے اور منشی جو شیعہ تھے مسجد آتے تھے اور صرف تقریر سن کر چلے جاتے، نماز نہیں پڑھتے تھے، یہ دونوں واپس جا کر اپنے والد سے مولانا کی تعریف کرتے تھے کہ یہ نوجوان اس عمر میں اتنی اچھی باتیں اور اتنے اچھے انداز سے پیش کرتا ہے۔

ہومیوپیتھک پریکٹس

صورت حال کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر مہدی حسن صاحب لکھمنیاں جن سے آپ کے اچھے مراسم وتعلقات تھے، آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ طالب بھائی مسجد ومدرسہ آپ کے بس کی بات نہیں، چنانچہ انہیں کے مشورہ اور رہنمائی میں ۱۹۷۱ء سے آپ نے ہومیو پیتھک کی پریکٹس اپنے گاؤں میں شروع کردی، جب آپ تکیہ رائے بریلی تشریف لاتے تو رائے بریلی میں پرتاپ گڑھ کے ایک ڈاکٹر ادریس صاحب تھے جو بہت ہی ماہر اور اچھے ڈاکٹر تھے بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی رحمہ اللہ یہ اپنے وقت کے سموئل ہینمن (بانی ہومیوپیتھک) ہیں، وہ جانوروں اور پیڑ پودوں کا بھی علاج کرتے تھے، آم کھٹے ہوں تو اس کی جڑ میں ایک بوند دوا ڈال دیتے تو آم میٹھے ہوجاتے، بھیڑ کو ایک خوراک کھلا دیتے تو اس کے بال بالکل ریشم کی طرح ہوجاتے، آپ ڈاکٹر ادریس صاحب کے پاس جا کر بیٹھتے اور ان سے رہنمائی حاصل کرتے، وہ بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ آپ کی رہنمائی فرماتے، آپ نے ان سے پوچھ پوچھ کر ایک نوٹس بھی تیار کرلیا، ہومیو پیتھک علاج سے متعلق کچھ کتابوں کا مطالعہ بھی کیا، اس کے بعد چنڈی گڑھ ہومیو پیتھک کونسل جا کر اس کا امتحان دیا، امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد آپ کو وہاں سے ڈگری دی گئی، یہ ۱۹۷۶ء کی بات ہے۔

آپ نے ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۲ء دو سال تک اپنے گاؤں سانحہ میں ہی رہ کر پریکٹس کی، ۸؍فروری ۱۹۷۳ء میں بیگوسرائے آگئے اور ڈاکٹر جاوید اختر صاحب کے مکان کے ایک کمرہ (گیرج) میں ۹ سال مطب کرتے رہے، ۱۹۷۸ء میں پوکھریا میں زمین خریدی اور مکان بنوا کر ۱۹۸۲ء میں اپنے اس ذاتی مکان میں رہائش اختیار کرلی اور مطب کے لئے وہیں مسجد کے قریب ڈاکٹر شوکت صاحب کی عمارت میں ایک کمرہ لے لیا جو اب تک آپ کا مطب ہے۔

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ سے وابستگی

حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے بعد ۱۹۶۴ء میں آپ حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ سے وابستہ ہوگئے، بیعت کی خواہش ظاہر کی تو مولانا علی میاں رحمہ اللہ نے فرمایا آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے، کبھی اگر کچھ محسوس کریں تو پوچھ

لیں، ۱۹۷۱ء میں مولانا علی میاں نے ازخود آپ کو اجازت وخلافت عطا کی۔ دو دن تک حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ مولانا محی الدین رحمہ اللہ سے ان کی صلاح وتقوی کو دیکھتے ہوئے یہ فرماتے رہے کہ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے، دوسرے دن پھر کہا مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے، مگر دونوں دن انتظار میں گزرے اور بات نہیں ہوئی، تیسرے دن مسجد تکیہ کلاں میں حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ ٹہلتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت کررہے تھے اور مولانا محی الدین صاحب صحن مسجد میں جھاڑو دے رہے تھے، تلاوتِ قرآن کریم سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا مولوی محی الدین صاحب مجھے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے نسبت حاصل ہے، میں یہ نسبت آپ کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہوں، آپ میں اس کی اہلیت موجود ہے، اللہ کا شکرادا کریں اور دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھیں، مولانا برابر نفی کرتے رہے بلکہ تقریباً پانچ منٹ تک روتے رہے اور اس ذمہ داری سے بچنے کی کوشش کرتے رہے، حضرت مولانا رحمہ اللہ کے اصرار پر قبول کیا، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے پھر فرمایا کہ دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھیں، مولانا پر تواضع وانکسار ایسا غالب رہا اور ہے کہ انہوں نے اجازت وخلافت ملنے کے باوجود کبھی کسی کو بیعت نہیں کی، بلکہ اس حیثیت سے اپنے کو مشہور ہونے سے بچائے رکھا، اپنے کو مستور الحال اور گمنام رکھنا ہی پسند فرماتے رہے۔

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ آپ کو از راہ شفقت ومحبت اپنا مخلص دوست فرمایا کرتے تھے، کبھی طالب بھائی کہتے، دسترخوان پر اپنے ساتھ بغل میں بٹھایا کرتے تھے۔

تکیہ کلاں رائے بریلی ہر سال خصوصا ماہ رمضان میں آپ کی حاضری ہوتی، وہیں قیام رہتا، آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے، اس دوران حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ آپ کا خاص خیال رکھتے، عید کی نماز کے بعد حضرت سے جب ملاقات ہوتی تو وہ آپ کو دیکھ کر خاص طور پر یہ شعر پڑھتے:

انبساط عید دیدن روئے تو
عیدگاہ ما غریباں کوئے تو

تکیہ کلاں پر آپ اپنے کام سے کام رکھتے، کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کا مزاج تھا، آنے جانے والوں سے ملنے جلنے یا تعارف وغیرہ کرانے سے ہمیشہ کنارہ کش ہی رہتے تھے، اسی طرح ذکر واذکار اور مراقبہ وغیرہ سے بھی شغف نہیں تھا، صرف عشاء کے بعد تھوڑی دیر درود شریف پڑھنے کا معمول تھا، اپنے شیخ کی صحبت میں رہنا اور ان کی خدمت کرتے رہنا یہی اصل مشغلہ تھا، حضرت مولانا رحمہ اللہ کے سر کی مالش بھی کرتے تھے، حضرت آپ کے مالش کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ تکیہ پر رہ کر مختلف قسم کی چھوٹی بڑی خدمت انجام دینے کے ساتھ نماز کی امامت بھی فرماتے تھے۔

مولانا محی الدین طالب رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے ایک بار عرض کیا کہ حضرت کو سانحہ جانا ہے، حضرت نے فرمایا ادھر کا سفر ہوگا تو ضرور آؤں گا، ۱۹۷۸ء میں مدارس اسلامیہ کنونشن میں شرکت کے لیے مونگیر تشریف لائے، میں مونگیر حاضر ہوا، عرض کیا کہ ہمارے یہاں جانے کے دو راستے ہیں ایک خشکی کا جو طویل ہے، دوسرا دریائی ہے جو اس کے مقابلہ میں مختصر ہے، حضرت نے فرمایا: دریائی راستہ سے چلیں گے، اس لئے کہ دریا کا سفر کیے ہوئے بہت دن ہوگئے، دریائی راستہ سے تشریف لائے، اصل لکھمنیاں آئے اور حضرت شیخ سلطان مجددی رحمہ اللہ متوفی ۱۱۰۶ھ کے مزار پر فاتحہ پڑھا، وہیں شاہ حبیب الرحمٰن صاحب کے یہاں تین دن قیام رہا، یہ حضرت شیخ سلطان کے احفاد میں سے تھے، پھر ہمارے یہاں تشریف لائے، حضرت کے ہمراہ مولانا عمران خاں صاحب اور دیگر حضرات بھی تھے، اسی موقع سے میری والدہ اور اہلیہ وغیرہما آپ سے بیعت ہوئیں۔

حضرت شاہ وصی اللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں

۱۹۶۵ء میں رمضان المبارک حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کی سرپرستی میں گزارنے کی غرض سے رائے بریلی حاضری ہوئی تو اسٹیشن پر ہی معلوم ہوا کہ حضرت آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں سیتاپور ہاسپٹل میں ہیں، وہیں سے سیتاپور کے لئے روانہ ہوگئے، وہاں قیام کی کوئی صورت نہیں تھی واپس ہوتے ہوئے الہ آباد اتر کر حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کی خواہش ہوئی، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نام ایک تعارفی خط لکھ دیا، وہ خط لے کر جب حضرت شاہ صاحب کے پاس بعد تراویح رات کے نو بجے پہنچے تو حضرت شاہ صاحب نے بعجلت تمام اپنے خادم عبدالرحمٰن جامی کو بلوایا، کہا: علی میاں کے قاصد آئے ہیں، علی میاں کا خط آیا ہے، علی میاں کے مہمان میرے مہمان، علی میاں کے مہمان میرے مہمان، ناظم مطبخ کو بلاؤ، پھر آپ کو ناظم مطبخ کے حوالہ کیا کہ وہ آپ کے قیام وطعام کا پورا خیال رکھیں، نو دن قیام رہا، مولانا کہتے ہیں کہ ضیافت کا بڑا اہتمام رہا، پرتکلف افطار، کھانا اور

سحر کا نظم تھا، جب کہ عام طالبین کے لیے وہاں ضیافت کا کوئی نظم نہیں تھا، لوگ اپنے قیام وطعام کا نظم خود کرتے اور استفادہ کے لئے مجلس میں حاضر ہوتے رہتے تھے، وطن واپس آنے لگے تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے ملنے گئے، حضرت نے فرمایا: تم جا رہے ہو، جاؤ، تم سے میرا دل لگ گیا، تم کو ہم پھر بلائیں گے، تم کامیاب جا رہے ہو، اور جس طرح ماں اپنے بچے کو بھینچتی ہے اس طرح حضرت نے آپ کو اپنے سینہ سے بھینچ لیا اور اپنے خادم عبدالرحمٰن سے بھی کہا کہ محی الدین سے کہہ دو کہ وہ کامیاب جا رہا ہے۔ یہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے اور اسی سال سفر حج میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا دوران سفر پانی جہاز پر ہی وصال ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سفر پر روانہ ہونے سے قبل ممبئی میں ایک مجلس میں جس میں حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ بھی موجود تھے، یہ شعر پڑھا:

پھول کیا ڈالوگے تربت پر میری
خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

اور سرگوشی کے انداز میں مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ سے فرمایا کہ: علی میاں دعا کرنا کہ میں کسی طرح حجاز مقدس پہنچ جاؤں، اس وقت مولانا علی میاں کو تعجب ہوا کہ یہ حضرت کیا فرما رہے ہیں، جبکہ سارے خویش واقارب، صاحبزادیاں اور مخلصین کی بڑی جماعت سفر میں ساتھ ہیں، جہاز پر انتقال کے بعد جدہ خبر کردی گئی، وہاں بندرگاہ پر لوگ تابوت لیے ہزاروں کی تعداد میں انتظار کرنے لگے، مگر جہاز کے کپتان کو ادھر وائرلیس نہیں ملا، انہوں نے اپنی مجبوری ظاہر کی اور چند گھنٹے پہلے جنازہ کو نذر سمندر کردیا گیا۔

حضرت مولانا محمد احمد رحمہ اللہ کی خدمت میں

حضرت شاہ وصی اللہ رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمہ اللہ کا قیام الہ آباد میں اپنے مخلص ڈاکٹر ابرار الحق صاحب کے یہاں ہوگیا، ڈاکٹر صاحب نے ایک چھوٹا اور ایک بڑا کمرہ آپ کے لئے مختص کردیا تھا، مولانا محی الدین صاحب رحمہ اللہ ان کی خدمت میں بھی برابر حاضر ہوتے رہے، تکیہ رائے بریلی سے ہر سال واپسی پر چھ سال تک ان کی خدمت میں حاضری دیتے رہے اور چند دنوں تک قیام کرتے رہے، ان کی خدمت میں تنہا بیٹھنے کے مواقع بھی ملے، حضرت بہت متواضع تھے، کوئی آتا تو خود سے جاکر دروازہ کھولتے، غرض حضرت مولانا محمد احمد صاحب کی توجہات سے بھی مولانا کو حصہ وافر ملا۔

حسنی خانوادے سے تعلق

ماہِ رمضان المبارک اور دیگر مواقع سے حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کی خدمت میں مولانا مدظلہ کی برابر حاضری ہوتی رہتی تھی اور تعلق گہرا ہوتا چلا گیا تھا، حضرت مولانا رحمہ اللہ کے وصال کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمہما اللہ اور خانوادۂ حسنی کی دیگر شخصیتیں اور افراد نے بھی آپ کی قدردانی میں کوئی کمی نہیں کی، یہ حضرات آپ کے ساتھ بہت ہی اکرام واحترام کا معاملہ رکھتے تھے، ان حضرات سے بھی آپ کے تعلقات ومراسم بہت اچھے رہے، گاہے بگاہے آمد ورفت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

آپ نے اپنے ان تمام بزرگوں کی صحبتوں اور خدمتوں کے تجربات کا نچوڑ اور خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ’’تربیت کے لئے اہل اللہ کی صحبت اور خدمت دونوں ضروری ہیں‘‘۔

حج بیت اللہ

آپ نے ۲۰۰۱ء میں اپنا حج فرض ادا فرمایا، بیگوسرائے سے بذریعہ ٹرین کلکتہ گئے اور وہاں سے جدہ، جدہ رات کے ڈیڑھ بجے پہنچے، وہاں سے علی الصباح بذریعہ بس مکہ مکرمہ گئے، حج کے اس سفر میں مکہ ومدینہ کے مقدس مقامات کی زیارت کی، اس سفر میں آپ نے فرمایا کہ چار چیزیں بہت ہی اہم نظر آئیں: ۱- بیت اللہ دیکھ کر دل پسیج گیا۔ ۲- قبا کی نماز کی کیفیت ہی الگ محسوس ہوئی۔ ۳- عرفات کا قیام اور آہ وزاری۔ ۴- روضہ اقدس کی حاضری اور صلاۃ وسلام کا موقع۔ سفر حج میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ملاکر ڈیڑھ ماہ کا قیام رہا۔

وفات

انتقال سے پندرہ بیس دن قبل بیماری شروع ہوئی تھی، آہستہ آہستہ کمزوری بڑھتی چلی گئی، حسب امکان علاج جاری رہا، ہاسپٹل میں داخل ہونے سے بچتے رہے، نماز کی فکر لگی رہی، بیگوسرائے کے دو ہاسپٹل میں داخل کرائے گئے مگر جلد ہی وہاں سے نکل آئے، انتقال سے تقریبا دس دن قبل آواز بھی بند ہوگئی، شعور باقی رہا، بے چینی کی کیفیت رہی، مشورہ سے پٹنہ کے ایمس میں داخل کیے گئے اور یہیں ہاسپٹل میں ۷؍جمادی الاولی ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۰؍نومبر ۲۰۲۴ء روز اتوار دن گزار کر شام کے ساڑھے چھ بجے دار فانی سے دار بقا کو کوچ فرماگئے، رات ہی میں جنازہ پوکھریا، بیگوسرائے لے جایا گیا، پھر وہاں سے صبح کے وقت آبائی وطن سانحہ بیگوسرائے اور وہیں ساڑھے دس گیارہ بجے دن میں تجہیز وتکفین کے بعد جنازہ کی نماز ہوئی اور تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے اور نیکیوں کو صدقہ جاریہ کے طور پر قبول فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

عالم اسلام

آخری قسط

انقلابِ شام

اسباب، متوقع نتائج اور موہوم خدشات

فیصل احمد ندوی

بشار نے ردع العدوان کے ابتدائی دنوں ہی میں متعدد ملکوں بالخصوص اپنے دونوں دوست اور حلیف ممالک ایران اور روس سے مدد طلب کی۔ جب کسی نے مدد کی حامی نہیں بھری تو بشار کو اپنے سقوط کا یقین ہو گیا، چناں چہ اسی وقت اس نے اپنے بیوی بچوں کو روس روانہ کیا۔ لیکن ابھی وہ اپنے دوستوں کی مدد سے مایوس نہیں ہوا تھا، اس لیے خود دمشق میں رکا رہا، لیکن جب حکومت مخالف فورس نے دمشق کی طرف پیش قدمی کی تو اسے پورا یقین ہو گیا کہ یہاں باقی رہنے کا مطلب تختۂ دار پر چڑھنا ہے، چناں چہ قبل اس کے کہ مخالف فوج دمشق پہنچے، وہ وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا، اور روس میں پناہ لی۔

جہاں جہاں مجاہدین یعنی حکومت مخالف فورس کا قبضہ ہو گیا، وہ جیل کھول کر یا توڑ کر قیدیوں کو رہا کرتے گئے۔ چناں چہ ۹/دسمبر تک بیس ہزار سے زیادہ قیدی رہا کیے گئے۔

سب سے دل دوز اور ناقابل یقین معاملہ صیدنایا جیل کا ہے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے وحشت ناک جیل ہے، جو دمشق سے تیس کلومیٹر دور شمال میں پہاڑی علاقے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ڈیڑھ مربع کلومیٹر ہے۔ گراؤنڈ فلور کے ساتھ دو فلور اور زیر زمین تین فلور ہیں۔ اس میں ڈیڑھ کروڑ قیدیوں کی گنجایش ہے۔ ۱۹۸۷ء میں حافظ الاسد نے اس کو قائم کیا تھا۔ اس میں قیدیوں کے ساتھ جو کارروائیاں کی جاتی ہیں، دنیا کی نظروں سے ان کو مخفی رکھنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے، اسی لیے دنیا کے سب سے مخفی ترین مقامات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ بڑی مشکل اور بھاری رقم خرچ کرنے کے بعد بعض تحقیقی ادارے وہاں پہنچ سکے تھے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ۲۰۱۷ء میں اپنی رپورٹ میں اس کو انسانی سلاٹر ہاؤس یعنی مذبح خانہ قرار دیا تھا۔ اب دمشق پر قبضے کے بعد جب لوگ وہاں پہنچے تو ان کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ اس میں پھانسی کے پھندے، انسانی اعضا ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے مشینیں، نمک کا بڑا ذخیرہ، شمشان گھاٹ، ایک طرف انسانی ہڈیوں کا ڈھیر اور وہ سب کچھ ہے، جس سے لوگوں کو اندر ہی اندر ختم کیا جائے، اور باہر اس کا پتا بھی نہ چلے۔ کچھ عرصے قبل لوگوں نے اس کے قریب کی نالیوں میں خون بہتا ہوا دیکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ گزشتہ دس سال کے عرصے میں تیس سے پینتیس ہزار قیدیوں کو جیل کے اندر مختلف طریقوں سے قتل کیا جا چکا ہے۔ بقول کسے: بدنام زمانہ گوانتانامو بے جیل اس کے سامنے ”عشرت کدہ“ ہے۔ ان دو دنوں میں جیل کی جو تصویریں اور ویڈیو سامنے آئی ہیں، اس سے پوری دنیا کے انسانوں کے عقلیں دنگ ہیں۔ خفیہ دروازوں تک رسائی نہیں ہو سکی۔ فورس کے افراد کے ساتھ وہ سب لوگ وہاں جمع ہو گئے، جن کو اپنے رشتہ دار اور متعلقین کے یہاں ہونے کی توقع تھی۔ وہ جیل میں موجود ریکارڈ دیکھ رہے ہیں، کاغذات الٹ پلٹ کر رہے ہیں کہ شاید ان کے آدمی کا نام نظر آئے، اور پتا چل سکے کہ ان کو مارا جا چکا ہے، یا ابھی زندہ ہیں۔ جیل کے محافظ اور جلاد بھاگ چکے ہیں۔ دنیا کے ماہرین کو اس کے لیے بلایا جا رہا ہے۔ جاسوسی کتوں سے مدد لی جا رہی ہے۔ جیل کے دروازوں کا پتا بتانے والے کو جان کی امان کے ساتھ ایک لاکھ ڈالر دینے کا اعلان کیا گیا۔ اندازاً یہاں ایک لاکھ کے قریب افراد خفیہ عقوبت خانوں میں یا زندہ ہیں یا مر چکے۔ اس جیل کی صورت حال اب تک جو سامنے آئی ہے، اس سے پوری دنیا میں لوگ بیک زبان کہہ رہے ہیں کہ تعذیب کی یہ شکلیں دنیا کے کسی جیل میں نہیں ہیں!

ایک جیل کھولی گئی تو اس میں سے عورتیں چیختی ہوئی نکلیں، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ یہ کیا ہوا؟ لوگ کہہ رہے تھے گھر چلیے انقلاب آ چکا ہے۔ ایک جیل سے چند نوجوان رہا ہوئے تو خوشی سے انھوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور قسمیہ بیان دیا کہ آج ۸/ نومبر کو ہماری پھانسی کی تاریخ تھی۔ اگر یہ انقلاب نہ ہوتا تو ہم پھانسی کے پھندے کو چوم چکے ہوتے۔ ایسے ایسے لوگ رہا ہوئے، جن میں سے کوئی بتیس سال، کوئی اڑتیس سال اور کوئی بیالیس سال جیل کی تاریکیوں میں رہا، ایسے لوگ بھی نکلے جو کھڑے نہیں ہو سکتے تھے، ان میں ایسے لوگ بھی نظر آئے، جو جسمانی اور ذہنی اذیتوں کی وجہ سے اپنی عقلیں کھو چکے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں، جو صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہیں۔ کہاں تک لکھا جائے۔ چند ہی دنوں میں یقیناً صیدنایا جیل پر مستقل کتابیں آئیں گی۔ کوئی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنے ہزاروں بلکہ لاکھوں کا خون اس خونی انسانیت کے مجرم بشار الاسد کی گردن پر ہے۔

دوسری طرف اس مجرم نے ملک کو جس طرح لوٹا ہے، اس کی کوئی مثال مشکل سے ملے گی۔ دوسو ٹن سونا اور ۱۲۲ بلین ڈالر تک اس کی دولت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ جب کہ شامی عوام کس مپرسی کے عالم میں تھے۔ اس کے متعدد محل اور زیر زمین ان کو جوڑنے والی سرنگیں اور دنیا کی بیش قیمت گاڑیوں کی کھیپ اور فوجی ایرپورٹ تک لے جانے والا زیر زمین خفیہ راستہ۔ ان سب پر کتنے بلین ڈالر خرچ کیے گئے ہوں گے، اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کے قریبی رشتہ دار اور خاندان کے لوگوں نے جو بندر بانٹ کی تھی، وہ تصور سے پرے ہے۔ اس کے ایک ماموں زاد بھائی رامی مخلوف کی دولت کا اندازہ پانچ تا دس بلین ڈالر تک کیا گیا ہے۔ بشار سے اختلاف کے بعد یہ دولت بھی بشار کے قبضے میں آ گئی۔

برطانوی اور امریکی تحقیقی اداروں نے اس سلسلے متعدد رپورٹیں شائع کی ہیں، جو یوٹیوب پر موجود ہیں۔

لگتا ہے کہ ۲۰۱۱ء کی عوامی بغاوت کے بعد اس کو اندیشہ تھا کہ اس کا تختہ پلٹ سکتا ہے؛ اس لیے اس نے دولت کے ساتھ بھاگنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ عبوری حکومت کے وزیر اعظم محمد البشیر سے جب الجزیرہ کے صحافی نے انٹرویو لیتے ہوئے حکومت کے زیرِ تصرف دولت کے بارے میں جب سوال کیا تو انھوں نے کہا: خزانہ ہم کو خالی ملا، یہاں کچھ نہیں تھا۔ بعض تحقیقی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سو ٹن سونا اور سولہ بلین ڈالر اور پانچ بلین یورو لے کر وہ روس بھاگا۔

یہ ایسا صالح انقلاب ہے جس کی مثالیں تاریخ میں مشکل سے ملیں گی! ایسے ظالم و جابر کا تختہ، جس کے خاندان کا ۵۵ رسال سے شام میں دبدبہ تھا، بغیر خون خرابے کے پلٹا گیا۔ قائدِ انقلاب ابو محمد الجولانی نے بار بار اعلان کیا کہ سرکاری املاک کو بالکل نقصان نہ پہنچایا جائے، نہ کسی طرح کہیں لوٹ مار کی جائے، نہ کسی کا خون کیا جائے۔ غیر سنی فرقوں اور عیسائیوں کو بھی انھوں نے یقین دلایا کہ مطمئن رہیں، ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ اور بالکل اسی طرح اعلان کیا، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اعلان کیا تھا: ''من ألقى السلاح فهو آمن''، یعنی جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہوگا۔

اب تو مغربی میڈیا اور مغرب زدہ مشرقی میڈیا کو یقین ہونا چاہیے کہ انقلاب کے قائدین دہشت گرد اور باغی نہیں، بلکہ طویل ظلم وستم کی تاریخ کو بدلنے والے انقلابی مجاہدین ہیں، جنھوں نے صرف ملت اسلامیہ کے مجرم نہیں، بلکہ انسانیت کے مجرم کو نشانۂ عبرت بنایا، جس پر پوری دنیا کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

امید ہے کہ اس سے شامی عوام پر مسلط ایک صدی کے مظالم کا خاتمہ ہو جائے گا، اور اب نئی صبح میں وہ سانس لیں گے، لاکھوں شامی مہاجرین بھی اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئیں گے، اور شام اب آخری معرکے کی تیاری کرے گا، جس کی خبر صحیح حدیثوں میں دی گئی ہے کہ اس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں کی پناہ گاہ شام کی سرزمین ہوگی۔

شام کے فضائل، اس کی سکونت اور اس کی طرف مسلمانانِ عالم کی ہجرت وغیرہ سے متعلق حدیثیں اس کثرت سے ہیں کہ متعدد کتابیں اس موضوع پر قدیم وجدید مصنفین نے لکھی ہیں۔ ہم یہاں اختصار کے پیش نظر صرف ایک صحیح حدیث کے الفاظ لکھتے ہیں: عن أبي الدرداء أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن فسطاط المسلمين يوم الملحمة بالغوطة إلى جانب مدينة يقال لها دمشق، من خير مدائن الشام". [ابوداؤد]

اور متعدد روایتوں میں "معقل المسلمين أيام الملاحم دمشق" کے الفاظ بھی آئے ہیں، ان روایتوں کی بنیاد پر اہل ایمان کو یقین تھا کہ شام سے اس ظالم و جابر حکومت کا خاتمہ قطعی ہے، اس لیے کہ اس کو قیامت کے مراحل کے لیے تیاری کرنی ہے، جس کے آثار شروع ہو چکے ہیں اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کی عادلانہ اور پر امن حکومت کے بغیر یہ ممکن نہیں۔

اب ضرورت ہے:

۱- انقلاب کے قائدین خانہ جنگی سے پوری طرح دور رہیں۔

۲- فرقہ واریت سے دور عدل وانصاف پر مبنی حکومت قائم کریں۔

۳- مسلمانوں کو چاہیے کہ آخری زمانے کے فتن و ملاحم کی حدیثوں کا مطالعہ کر کے مستقبل کی تیاری کریں۔

۴- صحیح صورت حال سے واقف رہنے کی کوشش کریں تا کہ کوئی غلط رائے ظاہر کرنے یا کسی طرح کا غلط اقدام کرنے سے محفوظ رہیں۔

۵- دعاؤں کا خصوصی اہتمام کریں کہ اللہ اس انقلاب کو اہل شام کے حق میں خصوصاً اور مسلمانانِ عالم کے حق میں عموماً خیر کا ذریعہ بنائے۔ اس لیے کہ خطرات لگے ہوئے ہیں، دشمن یوں خاموش نہیں بیٹھے گا اور اسرائیل تو بغل ہی میں ہے، کب کیا شرارت کرے، کچھ نہیں کہا جا سکتا؛ تاکہ کم سے کم امن عامہ ہی میں خلل پڑ جائے۔

اس انقلاب سے اسرائیل سب سے زیادہ سہما ہوا ہے؛ اس لیے کہ البعث پارٹی کی اس حکومت کی اسرائیل سے ابتدا ہی سے گہری دوستی تھی۔ حافظ الاسد کی اسرائیل کے ساتھ ڈیل کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس لیے بشار الاسد کے فرار کے

دوسرے دن ہی اسرائیل نے سابقہ معاہدے کو نظر انداز کر کے دہشت گردی اور دادا گیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شام میں موجود اسلحہ کے ذخائر پر تابڑ توڑ حملے کر کے ان کو تباہ کر دیا؛ اس لیے کہ اگر یہ انقلابی قائدین کے ہاتھ لگے تو ہماری خیر نہیں۔

انقلابی رہنماؤں نے اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا۔ یہ چیز ناواقف لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی، اور اس انقلابی حکومت کو امریکی آلۂ کار تک کہنے سے نہیں چوکے۔ دراصل ابومحمد الجولانی نہایت ذہین وذکی رہنما ہیں۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر سرِ دست اسرائیل کے خلاف انھوں نے ہتھیار اٹھائے، یا ان کے حملوں کا جواب بھی دیا تو جنگ چھڑنا لازمی ہے، اور شام اس وقت اس کا بالکل متحمل نہیں؛ چناں چہ ابومحمد الجولانی سے جب یہ سوال کیا گیا تو انھوں نے اس کا یہی جواب دیا، ورنہ اگر وہ جوابی حملہ کرتے تو مدتوں تیاری کے بعد کیا ہوا یہ انقلاب ناکام ہو جاتا، اور نتیجے میں امریکہ اسرائیل کی حمایت میں شام کے خلاف اپنی ساری طاقت جھونک دیتا، اور لٹے پٹے عوام اور پٹ جاتے، اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ انقلابی قائدین کی خاموشی نے اسرائیل کو ناکام کر دیا، اور انقلاب اپنی جگہ قائم رہا۔

ابومحمد الجولانی سب کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں کہ یہ انقلاب تمام شامیوں کے حق میں ہوگا۔ یہاں تک کہ عیسائی مذہب کے نمائندوں، نُصیریوں اور کرد علاحدگی پسند رہنماؤں سے بھی انھوں ملاقات کی۔ وہ سب کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ متعدد ممالک کے وزرائے خارجہ سے بھی ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ سبھی ان سے مطمئن نظر آتے ہیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ سب نُصیری اس انقلاب سے نالاں ہیں، یا گھٹن محسوس کر رہے ہیں۔ نصیری (علوی) فرقے سے تعلق رکھنے والے اکہتر سالہ شاعر عبداللطیف علی نے ایک مضمون لکھا ہے، جس کا عنوان ہے: "هل أنت علوي؟ إذاً: اقرأ هذا المنشور" یعنی اگر آپ علوی ہیں تو یہ مضمون ضرور پڑھیے۔ اس میں انھوں نے وضاحت سے لکھا ہے کہ حافظ الاسد کی حکومت سے پہلے شامیوں میں مذہب سے قطع نظر آپس میں کیسی محبت تھی۔ اب کیسی دوری اور ایک دوسرے سے نفرت ہو گئی ہے۔ پھر ایسی حکومت قائم ہو گئی، جو دراصل ایک خاندان کی حکومت تھی۔ ملک کی ساری دولت ایک خاندان کے ہاتھ میں آ گئی۔ اور ملک کی فوج ملکی حدود کی حفاظت کی بجائے صرف ایک کرسی کی حفاظت میں لگ گئی۔ ملک کی اقتصادی حالت تباہ ہو گئی۔ حفظانِ صحت کی طرف کوئی توجہ نہیں رہی، اس حکومت کی اور تباہ کاریوں کا اس نے ذکر کیا ہے۔ اخیر میں لکھا ہے کہ بشار کے سقوط کے بعد اس کے مظالم کی ایسی تفصیل سامنے آئی ہے، جس نے پوری دنیا میں انسانیت کی ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اب دیکھیے کیسا صالح انقلاب آیا ہے۔ کیا سنیوں نے تم پر زیادتی کی؟ اس لیے تمھیں خوشی منانی چاہیے، اور ملک کی ترقی میں ان کے ساتھ پورا تعاون کرنا چاہیے۔

پہلے انقلابی رہنماؤں نے یکم مارچ کو نئی منتخب حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا تھا، لیکن ابھی چار دن قبل ان کی طرف سے یہ اعلان سامنے آیا ہے کہ عبوری حکومت تقریباً چار سال کام کرے گی؛ اس لیے کہ نئے دستور کی تیاری میں کم سے کم تین سال لگیں گے، جو تمام شامی عوام کے لیے قابل قبول اور قابل عمل دستور ہو۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اس لحاظ سے بھی مناسب بلکہ ضروری ہے، تاکہ مہاجرین اس عرصے میں واپس اپنے گھروں کو لوٹ آئیں، اور نئے شام کی تعمیر میں اپنے حق دہی کا استعمال کریں۔

امریکہ، روس اور ایران سب کے مقاصد شام سے وابستہ ہیں۔ امریکہ اور روس اس کے قدرتی ذرائع آمدنی سے فائدہ اٹھانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایران اپنے مذموم مقاصد کے تحت شام تک اپنا دائرۂ اثر وسیع کرنا چاہتا ہے۔ ایک ترکی ہے، جس کی خواہش اور کوشش ہے کہ شام میں ایک پرامن حکومت قائم ہو؛ تاکہ مہاجرین واپس لوٹ سکیں۔ ایسے لاکھوں مہاجرین کا بوجھ ترکی پر ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ مہاجرین رفتہ رفتہ واپس آ رہے ہیں۔ شیخ اسامہ الرفاعی جو شام کے ایک بڑے خاندانی عالم اور مفتی ہیں، وہ بھی ہجرت کر کے ترکی چلے گئے تھے۔ ترکی حکومت نے حسبِ حال ان کا اکرام کیا۔ جون ۲۰۱۶ء میں استنبول میں ان کے آفس میں ہم نے ان سے ملاقات کی تھی۔ انقلاب کے تیسرے دن وہ حلب آئے تھے، لوگوں نے ان کا شایانِ شان استقبال کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں فرمایا تھا کہ میری عمر اس وقت ۸۰/سال ہے۔ پوری زندگی میں مجھے اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی، جتنی اس انقلاب سے ہو رہی ہے۔ اس لیے میں سب سے پہلے ان نوجوانوں کو مبارک باد دیتا ہوں، جن کی کوششوں سے انقلاب کامیاب ہوا۔ اب شیخ اسامہ رفاعی مستقل شام واپس آ چکے ہیں۔ اللہ کرے سارے مہاجرین اپنے گھروں کو لوٹ کر اطمینان کا سانس لیں اور بہتر زندگی گزار سکیں۔

درحقیقت یہ انقلاب صرف اہلِ شام کے لیے نہیں، بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے خوشی کا پیغام ہے، اس لیے کہ سرزمینِ شام سے مسلمانوں کا مذہبی اور جذباتی تعلق ہے۔

☆☆☆☆☆

ارشاد وتذکیر

اسلامی معاشرہ اور مطلوبہ طرزِ عمل

محمد فرمان ندوی

انسان ایک معاشرتی مخلوق ہے، وہ تنہا اس دنیا میں نہیں رہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے پورا انسانی معاشرہ قائم فرمایا ہے، لفظ انسان کے معنی ہی ہوتے ہیں: انس والا، محبت والا، ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والا، یہ عمل اگرچہ دنیاوی عمل ہے؛ لیکن اگر اللہ کے لیے ہو تو مستقل عبادت بن جاتا ہے، اور قیامت کا دن عرش کا سایہ دلانے والا ہوتا ہے۔

یہ تو عام انسان کی بات ہوئی؛ لیکن ایک عام انسان اور ایک سچے مسلمان کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے، ایک مسلمان اللہ کے نور کے سایہ میں چلتا ہے، اجالے میں سفر کرتا ہے، اب اگر دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں، محبت کرتے ہیں سچی اور اخلاص پر مبنی تعلق رکھتے ہیں تو وہ نور ونکہت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں، تاریکی ان سے دور بھاگتی ہے، اور رحمت الٰہی ان کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم کی سورۂ حجرات میں کہہ دیا گیا کہ: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں) اور صحیح بخاری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی تعلق کو ایک جسم سے تشبیہ دی ہے، اگر ایک عضو میں تکلیف ہو جائے تو پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس مثال کی معنویت پر غور کیجیے کہ جسم کے تمام اعضاء یکساں اہمیت اور حیثیت کے حامل نہیں ہوتے، دماغ پورے جسم کا بادشاہ ہے، اس کے چشم وابرو کے اشارہ پر جسم کا انگ انگ کام کرتا ہے، اور وہ پورے بدن کے لیے پاور ہاؤس ہے، دل کو بھی جسم میں مرکزی حیثیت حاصل ہے، اگر کسی حصہ کی سپلائی چھوڑ دے تو لمحوں میں اس حصہ کی موت ہو جائے، اسی طرح دوسرے اعضاء کچھ زیادہ اہم ہیں، اور کچھ کم؛ لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ انگلی کو تکلیف ہو تو دماغ یہ سوچے کہ ایک انگلی کے لیے ہم کیوں رنج وغم میں مبتلا ہوں اور پاؤں بھی نہیں سوچتا کہ انگلی کو تکلیف ہے، ہم کیوں دواخانہ جائیں، یہاں تک کہ ناخن بھی ضرورت سے زیادہ کٹ جائے تو پورا جسم کسک محسوس کرتا ہے۔

اسی طرح پورا اسلامی خاندان ہے، ایک دوسرے کے لیے لائق محبت ہے، کوئی مسلمان غریب ہو، ان پڑھ ہو، کسی جماعت اور مسلک کا ہو، کسی علاقہ اور ملک کا رہنے والا ہو، صرف اس فرق کی وجہ سے وہ مدد کا مستحق نہ ہو، انسان کے لیے محبت کی شبنم بننے کے بجائے نفرت کا شعلہ بن جائے، تو یہ ایمان کی کمزوری ہے، جس کا ایمان جتنا زیادہ مضبوط ہوگا، وہ اسی قدر ایک دوسرے کا خیال رکھنے والا ہوگا، اور اس کے درد وکرب کو اپنا درد وکرب سمجھے گا۔

اسی اسلامی رشتہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری مثال سے سمجھایا ہے، مسلم شریف کی روایت ہے، فرمایا: پوری امت ایک عمارت، ایک بلڈنگ کی طرح ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے، اور ہر ہر اینٹ ایک دوسرے کے لیے مضبوطی کا سبب بنتی ہے، اس مثال پر بھی غور کیجیے کہ عمارت کے تمام اجزاء ایک درجہ کے نہیں ہوتے، بنیاد کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، پھر ستون ہیں، اس کے بعد چھت ہے، دیواریں اور فرش عمارت کا حصہ ہیں، عمارت کا ایک حصہ سر پہ سایہ فگن ہے، اور ایک حصہ قدموں کے نیچے روندا جاتا ہے، بنیاد کے پتھر نظر نہیں آتے؛ لیکن عالی شان گنبد ایک دوسرے کو دعوت نظارہ دیتے ہیں، بنیاد اپنے کو دبا کر ایک دوسرے کو بلند کرتی ہے۔

یہی حال امت کے افراد کا ہے، کوئی زیادہ اہم ہے کوئی کم اہم، کسی نے ایک کام سنبھالا، کسی نے دوسرا کام، کسی نے خود کو گمنامی میں رکھ کر دوسروں کو بلند کیا ہے؛ لیکن ایک دوسرے کے معاون اور مددگار رہیں، اگر دیوار کی ایک اینٹ نکال دی جائے ت وعمارت کمزور ہو جائے گی، اسی طرح امت ایک فرد یا شخص کو اگر حقیر سمجھا جائے گا، اس کی بے توقیری کی جائے گی تو پورا اسلامی معاشرہ کمزور سے کمزورتر ہو جائے گا، اور ایک دوسرے کی مدد کرنے میں پوری امت کا بقا اور اس کا تحفظ ہے۔

ایمان والوں کا مزاج باہمی تعاون اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا ہونا چاہیے، مدنی معاشرہ میں صحابہ کرامؓ کو حال کچھ ایسے ہی تھا، وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، کہاں حبشہ کے بلال، کہاں روم کے صہیب، کہاں ایران کے سلمان، کہاں اسرائیلی نسل کے عبداللہ بن سلام، اور بنو ہاشم کے علی وعباس اور دوسرے عرب ابوبکر وعمر سب کو اسلام نے ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا، اور سب ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے اور خود مٹ کر

دوسروں کوفائدہ پہونچانے والے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کتاب الزھد میں نقل کیا ہے کہ یرموک کی جنگ میں ابوجہم اپنے چچازاد بھائی کی خبر گیری کرنے لیے کے نکلے کہ ان کو پانی پلادیں، قریب ایک دوسرے زخمی کی کراہ انہوں نے سنی تو ان کو پانی پلانے کا اشارہ کیا، وہ آگے بڑھے تو دوسرے ساتھی نے تیسرے کی کراہ سنی، تو اس کی طرف اشارہ کیا، جب تیسرے کے پاس پہونچے تو ان کی روح پرواز کر چکی تھی، دوسرے کے پاس آئے تو وہ بھی انتقال کر چکے تھے، اور اپنے چچازاد بھائی کے پاس آئے تو وہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئے تھے، یہ اسلامی بھائی چارہ کہ جان دے دی؛ لیکن اپنے بھائی سے پہلے پانی پینا گوارا نہیں کیا۔

سورۂ انفال کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کا تذکرہ کیا ہے اور صراحتاً اعلان کیا ہے کہ جو کافر ہیں، وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں، مددگار ہیں، تو مسلمانو! تم بھی اپنے مسلمان بھائیوں کا ہر طرح خیال رکھو، ان کے ساتھ اچھا سلوک ہو، اچھی اخلاق ہوں، تجارتی لین دین ہو، باہمی مشورے اور مذاکرے ہیں، اگر ایسا نہیں کروگے اور کافروں سے راہ و رسم بڑھاؤ گے تو جانتے ہو کیا ہوگا کہ زبردست فتنہ برپا ہوگا، اور ہر طرف بگاڑ پھیل جائے گا: "وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ، إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيرٌ".

مسلمانوں کے باہمی حقوق میں پہلی بات یہ ہے کہ سارے مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت واکرام کریں، اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد کو عزت و عظمت عطا فرمائی، اس اعلان کے مطابق ہر شخص معزز و مکرم ہے، اللہ کے ڈر اور خوف کے علاوہ کسی بنیاد پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی خون، مال اور عزت کو اتنا عظیم اور محترم بنایا جتنا اللہ کے شعائر ہیں، اس لیے خواہ مخواہ کسی کو ذلیل کرنا، کسی کی عزت سے کھیلنا، کسی پر الزام لگانا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے بھیانک اور سنگین جرم ہیں۔ جس سے تمام مسلمانوں کو بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ ایک دوسرے کا تعاون اور مدد کرنا عین ایمان ہے، آج کل یہ فیشن بنتا جارہا ہے کہ غیروں سے بڑی بڑی راہ و رسم ہے؛ لیکن اپنوں سے دوری اور مہجوری کی کیفیت ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد اسی وقت کرتے ہیں جب وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

تاریخ کا واقعہ ہے، بہت دور جانے کی ضرورت نہیں، بغداد میں دو دوکاندار آمنے سامنے رہتے تھے، دونوں ایمان دار اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ ایک دوکاندار کے پاس تو بہت سے گاہک آئے، دوسرے کے پاس نہیں آئے، جس کے پاس گاہک آرہے تھے وہ دیکھ رہا تھا کہ میرا بھائی صبح سے خالی بیٹھا ہے، اس کے پاس کوئی گاہک نہیں گیا، اس نے خریداروں سے بڑی لجاجت کے ساتھ کہا کہ بھائیو! سامنے والے دکان پر وہی سامان مل جائے گا، جو تم مجھ سے لینا چاہتے ہو، آج میرے پاس بہت سے خریدار آئے، لیکن میرے بھائی کے پاس نہیں گئے، اس لئے وہاں جاکر خریدلو۔

یہ ہے ایثار اور ایک دوسرے کا خیال رکھنا، اگر اس طرح کے جذبات مسلم معاشرہ میں ایک دوسرے کے دل میں ہوں گے تو وہ معاشرہ چین و سکون کی زندگی بسر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ" [الأنفال:۷۳] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا کرپشن پھیل جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح اسلامی روح کے ساتھ زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر تابش مہدی کی رحلت

۲۲/جنوری ۲۰۲۵ء بروز بدھ مطابق ۲۱/رجب ۱۴۴۶ھ کو معروف شاعر وادیب اور رابطہ ادب اسلامی کے رکن رکین ڈاکٹر تابش مہدی کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم جماعت اسلامی کے بھی رکن تھے، اہل ندوہ بالخصوص خانوادۂ حسنی سے گہرا تعلق رکھتے تھے، ۳/جولائی ۱۹۵۱ء کو پرتاپ گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی، ثانوی وعالی تعلیم کے بعد ۱۹۸۹ء میں آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) اور ۱۹۹۷ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے اردو تنقید میں پی ایچ ڈی کیا۔

۱۸/مئی ۱۹۷۹ء میں دیوبند کے مشہور خطاط اشتیاق احمد عثمانی کی پوتی سے ہوا، پسماندگان میں دو فرزند شاہ دانش فاروق فلاحی اور شاہ اجمل فاروق ندوی اور چار دختران ہیں۔

مرحوم نے بھرپور تعلیمی، تدریسی، صحافتی اور ادبی زندگی گزاری، نثر و نظم میں متعدد کتابیں ہیں، کئی ایوارڈ و اعزازات سے نوازے گئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ ☆☆☆

رپورٹ

مجلس تحقیقات شرعیہ کا دو روزہ فقہی سیمینار

محمد مرغوب الرحمٰن ندوی

انیسویں اور بیسویں صدی میں صنعتی انقلابات کے نتیجے میں زندگی کے مختلف میدانوں میں بے شمار نئے پیچیدہ مسائل نے جنم لیا، معاشیات کی نئی نئی شکلیں ظہور پذیر ہوئیں، صنعت و حرفت کے میدان میں ہزاروں نئی مصنوعات وجود میں آئیں، سائنسی ترقیات کے نتیجے میں انسانوں نے فضاؤں اور سمندروں کو مسخر کیا، ستاروں پر کمند ڈالی، ان غیر معمولی تغیرات نے ہزاروں نئے مسائل پیدا کیے، جن پر شرعی اصولوں کی روشنی میں غور کرنا اور حکم شرعی طے کرنا ضروری ہو گیا، اس مرحلے میں طبقہ علماء میں شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ ان نئے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے بابصیرت علماء اور فقہاء کے اجتماعی غور و خوض اور اجتماعی استنباط و اجتہاد کی حد درجہ ضرورت ہے۔

اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ نے ۱۹۶۳ء میں اپنے چند بلند پایہ اکابرین و معاصرین کے مشورے کے بعد مجلس تحقیقات شرعیہ قائم فرمایا، جس کی تاسیس کا اصل مقصد یہی تھا کہ عالمی اور ملکی سطح پر اقتصادی انقلابات اور تمدنی و سماجی تبدیلیوں کے پس منظر میں پیش آنے والے نئے مسائل اور وہ قدیم مسائل جو از سر نو غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں، ان کے حل کی جانب ایک سنجیدہ اور ٹھوس قدم اٹھایا جائے، چنانچہ مجلس کی دعوت پر ملک کے چوٹی کے علماء جمع ہوئے اور اجتماعی شکل میں مسائل پر غور و خوض کا ایک سلسلہ شروع ہوا، یہ تجربہ انتہائی کامیاب ثابت ہوا اور اس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے، مجلس کے قیام کے بعد ابتدائی چند سالوں (۱۹۶۳ء-۱۹۷۱ء) میں انشورنس، رؤیت ہلال وغیرہ پر باتفاق آراء جامع تجاویز منظور کی گئیں، یہ مسائل اس وقت کے لحاظ سے جہاں نہایت اہم تھے، وہیں ملک کے علماء و فقہا اور خواص امت کی فوری رہنمائی کے طالب بھی تھے۔ کسی وجہ سے ۱۹۷۱ء کے بعد یہ اجتماعی ادارہ انفرادی شکل اختیار کر گیا، اس لیے اس کے بعد سے ۲۰۲۲ء تک اجتماعی غور و خوض کے لیے کوئی اجلاس منعقد نہ ہو سکا۔ بحیثیت ناظم مولانا برہان الدین سنبھلیؒ اس ادارے کے تحت علمی اور تحقیقی کام تاحیات کرتے رہے، نئے موضوعات پر مضامین اور کتابیں لکھتے رہے۔

۲۰۲۰ء میں مجلس تحقیقات شرعیہ کا دوبارہ احیا ہوا، اور اس کے تحت متعدد علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ پھر سے اجتماعی غور و خوض کے لیے سالانہ فقہی سیمینار کا سنہرا سلسلہ شروع کیا گیا، ۲۳-۲۴/نومبر ۲۰۲۲ء کا دو روزہ فقہی سیمینار اس سنہرے سلسلے کی پہلی کڑی تھا، جس میں 'کرونا کے پیدا کردہ مسائل' اور 'سرکاری قرضوں کی حلت و حرمت' جیسے اہم موضوعات پر تجاویز منظور کی گئیں اور ۲۰-۲۲/اکتوبر ۲۰۲۳ء کا سہ روزہ فقہی سیمینار اس کا دوسرا کامیاب سلسلہ تھا، جس میں نصاب زکوۃ کا معیار اور ضم نصاب، مساجد میں خواتین کی آمد اور عوامی مقامات پر نماز پڑھنے کے سلسلے میں متوازن و معتدل تجاویز منظور ہوئیں، اس کامیاب سلسلہ کی تیسری کڑی دو روزہ چھٹا فقہی سیمینار ہے، جو ۳۰/نومبر و یکم دسمبر ۲۰۲۴ء بروز سنیچر و اتوار دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے عالی شان علامہ حیدر حسن خان ٹونکی ہال میں منعقد ہوا، ہال میں جلوہ افروز ملک و بیرون ملک سے تشریف لائے آسمانِ علم و فقہ کے درخشاں ستاروں نے ہال کی رونق کو دوبالا کر رکھا تھا، جن میں مولانا رحمت اللہ کشمیری، مفتی حبیب اللہ قاسمی (اعظم گڑھ)، مفتی احمد یعقوب دیولوی (گجرات)، مولانا فضل الرحیم مجددی (جے پور)، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی اختر امام عادل قاسمی (سمستی پور، بہار)، ڈاکٹر محمد اقبال مسعود ندوی (کناڈا)، ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی (کناڈا)، مولانا ولی اللہ ندوی (امریکہ)، مولانا عمر صوبیدار (کناڈا)، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (دہلی)، مولانا بدر احمد مجیبی ندوی (پھلواری شریف پٹنہ)، مفتی محمد ذاکر نعمانی (جے پور)، ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی (حیدر آباد)، مفتی محمد عثمان بستوی (جونپور)، قاضی مشتاق ندوی (بھوپال)، مفتی ثناء الہدی قاسمی (پٹنہ)، مولانا عتیق احمد بستوی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، مفتی محمد ظفر عالم ندوی، مفتی محمد مستقیم ندوی، مفتی محمد مسعود حسن حسنی ندوی اور مفتی عمر عابدین قاسمی مدنی (حیدر آباد) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

اس سیمینار کے تین موضوعات تھے: ۱- یسر تیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے، ۲- جانوروں کی مصنوعی افزائش، ۳- بیع معدوم کی جدید شکلیں، بظاہر تو یہ سیمینار ۳۰/نومبر کی صبح ساڑھے نو بجے شروع ہوا اور یکم دسمبر کو دو بجے دن میں ختم ہو گیا؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سیمینار کی تیاری ماہ اپریل ۲۰۲۴ء سے ہی شروع ہو گئی تھی، اسی ماہ

مذکورہ بالاموضوعات غور وفکر کے بعد طے کیے گئے، ان تینوں موضوعات پر سوال نامہ تیار کیا گیا اور مجلس کی جانب سے ملک کے چیدہ علماء اور چنندہ ارباب فقہ وفتاویٰ کی خدمت میں ارسال کیا گیا، تین ماہ میں علماء وفقہاء کی جانب سے مجلس کو مقالات و جوابات موصول ہوئے، اول الذکر موضوع پر ۱۷؍ مقالے، ثانی الذکر پر ۳۰؍ اور ثالث الذکر پر ۳۲؍ مقالے آئے، پھر مجلس ان مقالات کی تلخیص اور عرض مسئلہ کی تیاری میں مصروف ہوگئی۔ سیمینار کے مدعوین ومندوبین کی فہرست تیار کرکے ماہ اگست میں ان کے خدمت میں سیمینار کا دعوت نامہ بھیجا گیا۔ ماہ نومبر کے پہلے ہفتہ سے ہی مجلس کے معاونین اور رفقاء نے سیمینار کو کامیاب بنانے کے لیے شبانہ روز انتھک محنتیں اور کوششیں کیں، تب جا کر الحمدللہ یہ دوروزہ فقہی سیمینار کامیاب ہو پایا اور پانچ نشستوں میں مذکورہ بالا تینوں موضوعات پر طویل علمی بحث ومناقشے اور غور وخوض کے بعد اہم تجاویز منظور ہوئیں۔ نشستوں کی مختصر تفصیلات کچھ اس طرح ہیں:

افتتاحی نشست

اس سیمینار کی افتتاحی نشست مورخہ ۳۰؍نومبر ۲۰۲۴ء کی صبح ساڑھے نو بجے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی کی صدارت میں منعقد ہوئی، نشست کا آغاز قاری محمد ریاض مظاہری (صدر شعبۂ تجوید وقرات، دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی روح پرور تلاوت سے ہوا۔ کلیم الدین اور ان کے رفقاء نے ترانۂ ندوہ پیش کیا۔ پھر مجلس تحقیقات شرعیہ کے سکریٹری مولانا عتیق احمد بستوی نے شرکائے سیمینار کا استقبال کیا اور اپنا کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا: ’’نئے مسائل میں اجتماعی اجتہاد کا سلسلہ قدیم دور سے چلا آرہا ہے، یہ بہت نازک ذمہ داری ہے، اور یہ ذمہ دارانہ عمل وہی خدا ترس اور زمانہ شناس علماء وفقہاء انجام دے سکتے ہیں، جو شرعی دلائل پر گہری اور وسیع نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اجتہاد واستنباط کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتے ہوں‘‘۔ انہوں نے کہا کہ: ’’نئے مسائل کے پیش آنے کی رفتار بہت تیز ہے، اس کے لیے متعدد اداروں کی ضرورت ہے، جو اجتماعیت کے ساتھ اس فریضے کو انجام دے سکیں‘‘۔ ان کا کلیدی خطبہ کتابچہ کی شکل میں تھا، جو سامعین کے درمیان تقسیم کیا گیا، اس نشست میں چند مہمانانِ کرام نے بھی اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا:

مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی (عمید کلیۃ الشریعہ واصول الدین، دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے اپنے خصوصی خطاب میں کہا کہ: ’’یہ امت آخری امت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں، اس کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔ قرآن آخری کتاب ہے، اب کوئی نیا دین نہیں آئے گا۔ یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ روز بدلتے ہوئے حالات میں اصول شریعت پر غور کریں اور نئے مسائل کا حل پیش کریں‘‘۔ انہوں نے کہا کہ: ’’اجتہاد کے لیے بحث وتحقیق اور فہم وفراست کی ضرورت ہے اور یہ کام صرف علماء ہی کر سکتے ہیں‘‘۔ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سیمینار کے مدعو خصوصی تھے، لیکن اپنی علالت کی وجہ سے شریک سیمینار نہ ہوسکے، ان کا وقیع تحریری پیغام ان کے فرزند ارجمند مفتی عمر عابدین قاسمی مدنی (نائب ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد) نے پڑھ کر سنایا، جو شرکائے سیمینار کے لیے باعث مسرت وشادمانی ہوا۔ مولانا رحمانی نے اپنے پیغام میں کہا کہ: ’’علمی مسائل میں اجتماعی روش پسندیدہ عمل ہے، عہد صحابہ میں بھی اس کا معمول تھا، فقہائے کرام نے اس روش کو اپنایا، ہندوستان میں اس کا آغاز مولانا علی میاں ندویؒ نے مجلس تحقیقات شرعیہ کے قیام کے ذریعے کیا‘‘۔

ڈاکٹر محمد اقبال مسعود ندوی (چیئرمین کناڈین کونسل آف امامس، کناڈا) نے اپنے تاثراتی خطاب میں سیمینار میں شرکت پر خوشی کے اظہار کے بعد کہا کہ: ’’ہم نے ندوۃ العلماء سے فقہی توسع اور اعتدال سیکھا۔ آج احیاء فقہ اور عملی زندگی میں اس کی تطبیق کی ضرورت ہے‘‘۔ مزید کہا کہ: ’’امت کو اسلام سے جوڑنا اور دین پر اس کا اعتماد بحال رکھنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے‘‘۔ ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی (صدر الندوہ اسلامک ایجوکیشنل سینٹر، کناڈا) نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ: ’’یہ میرے لیے عزت وشرف کی بات ہے کہ مجھے اس سیمینار میں شرکت کا موقع مل رہا ہے‘‘۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ: ’’مجلس تحقیقات شرعیہ کی کاوش خوش آئند ہے، اس سے نئے مسائل کو حل کرنے میں مدد ملے گی، یہ ندوۃ العلماء کی فکر کا مظہر ہے‘‘۔ مولانا رحمت اللہ کشمیری (ناظم دارالعلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ، کشمیر) نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ’’میں اس سیمینار کے انعقاد پر ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں‘‘۔ انہوں نے کہا کہ: ’’فقہی اداروں کے درمیان تعاون اور ربط وتعلق ضروری ہے‘‘۔ قاضی محمد مشتاق ندوی (بھوپال) نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ’’آج ایسے اداروں کی سخت ضرورت ہے، جو نئے مسائل کو حل کرسکیں‘‘۔ نیز کہا کہ ’’عصر حاضر میں علماء اور عوام کے درمیان بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، اس طرح کے سیمیناروں کے ذریعے ان شاء اللہ یہ خلا پورا ہوگا‘‘۔ کناڈا سے

تشریف لائے مہمان ڈاکٹر عمر صوبیدار نے بھی انگریزی میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

افتتاحی نشست کے صدر نشیں ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے اپنے بصیرت افروز صدارتی خطاب میں کہا کہ:''آج کی دنیا تغیر پذیر ہے، حالات تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں، علماء کے سامنے نئے نئے چیلنجز آرہے ہیں، ایسے میں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ جدید تقاضوں کو سمجھیں اور امت کے سامنے نئے مسائل کا حل پیش کریں''۔ انہوں نے علماء پر زور دیا کہ وہ عوام کے سامنے دین کو آسان انداز میں پیش کریں۔ نیز کہا کہ:''کتاب وسنت دین کی بنیاد ہیں، جن میں دین کے اصول وضابطے بیان کیے گئے ہیں، جو قیامت تک آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لیے کافی ہیں''۔ مزید کہا کہ:''آج نئی نسل کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کیے جارہے ہیں اور ان کو دین سے بیزار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ان کے شکوک وشبہات کو دور کرنا علمائے کرام کی ذمہ داری ہے''۔ آپ نے کہا کہ:''نئے مسائل میں اجتہاد کرتے وقت اعتدال اور توازن ضروری ہے، اس لیے کہ اللہ نے اس امت کو درمیانی امت بنایا ہے، اور یاد رکھیں کہ اجتہاد میں اصل کتاب وسنت، منہج سلف اور فہم سلف ہے، اور ان سے انحراف بے راہ روی اور گمراہی ہے''۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ:''ندوۃ العلماء کی فکر اعتدال وتوازن کا نمونہ ہے''۔

افتتاحی نشست کی نظامت کا فریضہ استاذ فقہ و حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء مفتی محمد ظفر عالم ندوی نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ مولانا منور سلطان ندوی (رفیق مجلس تحقیقات شرعیہ) نے مجلس تحقیقات شرعیہ کی یک سالہ کارکردگی کی مختصر رپورٹ پیش کی، اس رپورٹ نے سامعین کے سامنے مجلس کی سرگرمیوں اور دیگر گوشوں کو اجاگر کیا۔ صدر محترم کی دعا پر نشست کا اختتام ہوا۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کا ایک اہم کام علمی وتحقیقی سرمایہ کی اشاعت ہے، گزشتہ چار سالوں میں دو درجن کے قریب یہاں سے کتابیں شائع ہوچکی ہیں، اسی کے تحت امسال مندرجہ ذیل تین مجموعۂ مقالات منظر عام پر آئے اور ان کی رسم اجرا صدر عالی قدر کے بدست اس نشست میں ہوئی:

۱-نصاب زکوۃ کا معیار اور ضم نصاب
۲-مساجد میں خواتین کی آمد: شرعی احکام ومسائل
۳-عوامی مقامات پر نماز کا مسئلہ

مجلس کے تین رفقائے علمی نے ان مجموعوں کو مرتب کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ تینوں مجموعۂ مقالات سال گزشتہ کے فقہی سیمینار کے موضوعات کی تحریروں پر مشتمل ہیں۔ ان تین مجموعوں کے علاوہ درج ذیل کتب کی بھی رسم اجرا عمل میں آئی:

۱-ہوا کے دوش پر از مولانا عتیق احمد بستوی
۲-مفتی عبداللطیف رحمانی - احوال وآثار از مولانا فیصل احمد ندوی
۳-مسلمانوں کی ذلت وپستی کے حقیقی اسباب اور ان کا علاج از مفتی زید مظاہری ندوی
۴-دو علمی اور روحانی اسفار از مفتی محمد اشرف قاسمی
۵-مسلم شریف کی خصوصیات از مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

مجلس کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس شعبہ کی جانب سے ایک علمی اور تحقیقی مجلّہ کی اشاعت ہو، اسی مقصد کے حصول کے لیے ایک سہ ماہی مجلّے کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا، شعبے کے نام کی مناسبت سے مجلّے کا نام تحقیقات شرعیہ طے پایا اور اس کے پہلے شمارے کا اجرا اسی افتتاحی نشست میں صدر گرامی قدر کے بدست ہوا، یہ مجلّہ ای میگزین کی شکل میں شائع ہوگا، مجلس کی ویب سائٹ پر اس مجلّے کو دیکھا اور پڑھا جاسکتا ہے۔

دوسری نشست

افتتاحی نشست کے بعد چائے کا مختصر وقفہ ہوا اور پھر دوسری نشست - جو پہلی موضوعاتی نشست تھی - مولانا رحمت اللہ کشمیری کی زیر صدارت ہوئی، اس نشست کا موضوع تھا:''جانوروں کی مصنوعی افزائش''۔ غالبًا موضوع کی جدت و ندرت نے شرکاء کو نشیط و چست رکھا، جب کہ سیمینار کے شرکاء ملک کے دور دراز خطوں اور علاقوں سے لمبا سفر کر کے تشریف لائے تھے اور پھر افتتاحی نشست کا دورانیہ بھی ڈھائی گھنٹے کا ہوچکا تھا، باوجود اس کے افتتاحی نشست کے بعد شرکاء کے چہروں پر کسی قسم کی کوئی شکن نہ تھی، جسموں میں کوئی تھکن نہ تھی اور سب ہشاش وبشاش ہو کر اپنی اپنی کرسیوں پر ہمہ تن گوش اس نشست کے لیے بیٹھے تھے۔ مولانا رحمت اللہ ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء) نے نشست کی بہت عمدہ نظامت کی اور شان نبی میں سید ابوالحسن علی (متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء) نے شیریں لہجے اور دلکش آواز میں نذرانۂ عقیدت پیش کر کے سامعین کے دلوں کو مسحور کر دیا۔ جب کہ ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی (سابق صدر شعبۂ اسلامیات مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد) نے اس موضوع پر عرض مسئلہ پیش کیا۔ بعد ازاں شرکاء کے مابین اس جدید موضوع پر علمی مناقشہ ہوا۔ بطور مہمان خصوصی ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی نے اپنے خطاب میں کہا کہ:''علمائے کرام کو چاہیے کہ وہ اس پہلو پر توجہ دیں کہ لوگوں کو ایسی غذا نہ ملے جو ان کے لیے مضر ہو''۔ انہوں نے کہا کہ:''اس مسئلے میں بہت

احتیاط کی ضرورت ہے''۔اس نشست کے صدر مولانا رحمت اللہ کشمیری نے اپنے قیمتی خطاب میں کہا کہ:''جانوروں کی مصنوعی افزائش عصر حاضر کا ایک سلگتا ہوا مسئلہ ہے، جو فقہائے کرام کی توجہ کا طالب ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اس میدان میں آگے آئیں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسانیت کے لیے ایسی غذا کا انتظام کریں، جو صحت کے لیے مفید اور ناپاک آمیزش سے خالی ہو''۔

تیسری نشست

تیسری نشست کا موضوع بحث تھا: بیع معدوم کی جدید شکلیں، اس نشست کی صدارت مولانا اختر امام عادل قاسمی (ناظم جامعہ ربانی منورا شریف، سمستی پور) نے کی۔ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا ظفر الدین ندوی کی دلنشیں تلاوت سے نشست کی ابتدا ہوئی، منیر احمد کشمیری نے نعت نبی پیش کی۔نشست کی نظامت کے فرائض خوبصورت انداز میں ڈاکٹر محمد نصر اللہ ندوی نے انجام دیے۔ مفتی راشد حسین ندوی (مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی) نے مذکورہ موضوع پر عرض مسئلہ پیش کیا، پھر علماء و فقہا کے مابین اس پر سنجیدگی کے ساتھ مذاکرہ ہوا۔مولانا اختر امام عادل قاسمی نے اپنی چشم کشا اور رہنما صدارتی گفتگو میں کہا کہ:''بیع معدوم اصلاً ناجائز ہے؛ لیکن موجودہ حالات میں ضرورت کے پیش نظر فقہاء نے توسع سے کام لیتے ہوئے بہت سی ایسی بیوع کو جائز قرار دیا ہے جن میں مبیع کا وجود فی الحال نہیں ہوتا ہے، تاکہ امت کو حرج اور پریشانی نہ ہو''۔

چوتھی نشست

تیسری نشست کے معاً بعد سیمینار کی چوتھی نشست -جو آخری موضوعاتی نشست تھی- ''یسر و تیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے'' کے موضوع پر ہوئی، ڈاکٹر محمد اقبال مسعود ندوی اس نشست کے صدر رہے۔نظامت کے فرائض مولانا منور سلطان ندوی نے سلیقہ مندی کے ساتھ انجام دیے اور مفتی محمد ظفر عالم ندوی نے مذکورہ بالا موضوع پر عرض مسئلہ پیش کیا، بعد ازاں مندوبین اور مدعوین علماء و فقہاء کے درمیان اس پر بحث و مباحثہ ہوا، یہ بحث و مباحثہ بڑا علمی اور دلچسپ رہا، اچھے ماحول میں ہوا، شرکاء ایک دوسرے کی آراء کا احترام کر رہے تھے اور آداب اختلاف کا خیال رکھ رہے تھے، پھر نشست کی کاروائی آگے بڑھی۔ڈاکٹر محمد اقبال مسعود ندوی نے گراں قدر صدارتی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: ''تیسیر نام ہے دو حلال چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا جو آسان ہو''۔انہوں نے کہا کہ:''غیر مسلم ملکوں میں بہت سے ضروری مسائل بھی لوگوں کو معلوم نہیں ہوتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلے میں توسع پیدا کیا جائے اور آسانی کی راہیں تلاش کی جائیں، تاکہ امت دشواری میں مبتلا نہ ہو''۔

اختتامی نشست

سیمینار کی اختتامی نشست یکم دسمبر ۲۰۲۴ء ساڑھے گیارہ تا دو بجے دن مولانا فضل الرحیم مجددی (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کی صدارت میں منعقد ہوئی، یہ نشست تجاویز کی خواندگی و منظوری پر مشتمل تھی۔نشست کی نظامت کا فریضہ ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی نے انجام دیا، نشست کا آغاز استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا محمد علی شفیق ندوی کی پرسوز تلاوت سے ہوا۔مولانا عمیر صدیقی (امریکہ) نے منظوم کلام پیش کیا۔ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی نے تجاویز پڑھ کر سنایا، جن کو علمائے کرام نے بحث و مباحثہ کے بعد منظور کیا، اس نشست میں متعدد مندوبین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا:

مفتی ثناء الہدی قاسمی (نائب ناظم امارت شرعیہ، بہار) نے کہا کہ:''اس طرح کے پروگرام نئی نسل کو بحث و تحقیق کے آداب سکھانے میں معاون ہوتے ہیں اور علماء کے اندر غور و فکر کا جذبہ بیدار کرتے ہیں''۔مولانا بدر احمد مجیبی ندوی (استاذ المعهد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، امارت شرعیہ، پٹنہ) نے کہا کہ:''اس طرح کے سیمینار کا انعقاد خوشی و مسرت کا باعث ہے۔مجلس تحقیقات شرعیہ اہم اور ضروری خدمات انجام دے رہی ہے''۔مولانا ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریٹری جماعت اسلامی، ہند) نے کہا کہ:''مجلس کا کارنامہ غیر معمولی ہے، اس نے مختصر عرصے میں جو علمی ذخیرہ تیار کیا ہے وہ نہایت قابل قدر ہے اور علم و تحقیق کے خزانے میں گراں قدر اضافہ ہے''۔مفتی حبیب اللہ قاسمی (بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ) نے کہا کہ:''علماء کو چاہیے کہ وہ تسہیل کے رجحانات تلاش کریں اور اختلاف رائے کو برداشت کریں''۔امریکہ سے تشریف لائے ڈاکٹر ولی اللہ ندوی نے عربی میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:''مجلس تحقیقات شرعیہ کے سیمینار کے ذریعے ان مسائل کو حل کرنے میں آسانی ہوگی جو امریکہ جیسے غیر مسلم ممالک میں پیش آتے ہیں''۔

سیمینار کے اختتام پر مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے کہا کہ:''اس طرح کی مجالس وقت کی اہم ضرورت ہیں''۔انہوں نے ذاتی طور سے تمام مندوبین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔مولانا فضل الرحیم مجددی نے اپنے پیغام آفریں صدارتی خطاب میں کہا کہ:''اسلام ایک مکمل نظام حیات

ہے، یہ دین فطرت ہے اور اللہ کا نازل کردہ آخری دین ہے جو ہر زمانہ میں قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے، اور انسانی مسائل کا اطمینان بخش حل پیش کرتا ہے، اس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے جو شریعت کا سرچشمہ ہیں، کتاب وسنت میں جو اصول بیان کیے گئے ہیں، وہ مستحکم اور لا زوال ہیں، ان کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے"۔ انہوں نے کہا کہ: "مجلس تحقیقات شرعیہ کی بنیاد مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ہندوستان میں اس وقت رکھی، جب اس میدان میں ہر طرف سناٹا تھا، مجلس نے نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں جو کارنامہ انجام دیا ہے، وہ قابل ستائش ہے، اس کے لیے ندوۃ العلماء کے ذمہ داران مبارک باد کے مستحق ہیں، جن کی توجہ سے مجلس کا کارواں رواں دواں ہے، اور جدید طبقہ کو اسلامی تعلیمات سے واقف کرا رہا ہے"۔

اخیر میں مولانا فہیم اختر ندوی نے مندوبین کی جانب سے نمائندگی کرتے ہوئے اپنے کلمات تشکر میں سیمینار کے کامیاب انعقاد پر ندوۃ العلماء کے ذمہ داران بالخصوص ناظم ندوۃ العلماء، ناظر عام ندوۃ العلماء، مجلس کے سکریٹری اور اس کے معاونین کو مبارکباد پیش کی اور مندوبین کی طرف سے منتظمین کا شکریہ ادا کیا، نیز ندوہ میں مہمانوں کے لیے کیے گئے قیام وطعام کے نظم پر شکر اور قدر کا اظہار کیا۔ مولانا محمد کمال اختر ندوی (استاذ تفسیر و مشیر ناظر عام ندوۃ العلماء) نے بھی تمام مندوبین کا شکریہ ادا کیا۔ صدر ذی وقار کی دعا پر نشست کا اختتام ہوا، اس موقع پر دو کتابوں کی رسم اجرا ہوئی: ۱- جنہیں میں نے دیکھا از ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی ۲- اشعار العرب: جمع وترتیب از مفتی حکیم احمد حسن خان ٹونکیؒ، ترجمہ وتخریج از عبید اللہ ندوی۔

تمام نشستوں میں شرکائے سیمینار نے اپنے مطالعات، مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں سیمینار کو کامیاب بنانے کے لیے مفید خیالات و آراء کا اظہار کیا، اور سیمینار کے روح رواں مولانا عتیق احمد بستوی نے حکمت وبصیرت کے ساتھ سیمینار کی نگرانی کی، اور سیمینار کے مذاکرات و مناقشات کو منظم وبا مقصد بنایا۔

مجموعی طور پر شرکاء کا یہ تاثر تھا کہ مجلس تحقیقات شرعیہ کی کاوشیں لائق تحسین اور قابل ستائش ہیں، مجلس جن موضوعات کو اپنا موضوع بحث بنا رہی ہے، وہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، وہ موضوعات فوری توجہ کے طالب ہیں اور امت ان موضوعات پر رہنمائی کی منتظر ہے۔

یہ سیمینار ایک کامیاب اور با مقصد علمی وفکری اجتماع ثابت ہوا، جس کے ذریعے امت کی رہنمائی کا سامان فراہم ہوا اس طور پر کہ مذکورہ بالا تینوں موضوعات پر شرعی نقطۂ نگاہ سے حق وصواب اور قابل عمل تجاویز امت کے سامنے آئیں۔

اس سیمینار میں جہاں ایک طرف امت و ملت کی رہنمائی کے لیے اہل علم و دانش کی ایک انجمن مجتمع تھی تو وہیں دوسری جانب بغرض استفادہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ تدریب افتاء اور شعبۂ اختصاص فی الفقہ کے طلبہ بھی موجود تھے۔

☆☆☆☆☆

مجلس صحافت ونشریات کی جدید ودیدہ زیب طباعت

سوانح سید الطائفہ
(علامہ سید سلیمان ندویؒ)

تالیف: مولانا محمد فرمان ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی کے حالاتِ زندگی، علمی وملی خدمات، تصنیفات وتحقیقات اور علوم وافکار پر ایک مختصر؛ لیکن جامع کتاب۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کے مقدمہ سے مزین

کل صفحات: ۲۳۲ قیمت: ۲۲۰

فتاویٰ ندوۃ العلماء (جلد پنجم)

کل صفحات: ۳۷۴ قیمت: ۴۰۰/روپے

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

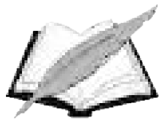

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: اگر کسی کے پاس مال ہو جس کی زکوٰۃ رمضان المبارک میں نصاب کے مطابق ادا کر دے پھر جب دوسرا رمضان آئے اور وہی مال اس کے پاس موجود ہو تو کیا اس سال بھی مذکورہ مال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟ مثلاً عورتوں کے پاس زیورات ہوں تو کیا ہر سال انہی زیورات کی زکوٰۃ ادا ہوگی؟

جواب: مال خواہ سابق ہی کیوں نہ ہو، اگر بقدر نصاب ہے تو دوسرے سال میں بھی وقت آنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح وہ زیورات جن کی زکوٰۃ سال گزشتہ ادا ہو چکی، اگر وہ دوسرے تیسرے برسوں میں بھی موجود ہوں تو ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی، حدیث نبویؐ میں ہے کہ: ہر سال مال پر زکوٰۃ واجب ہے، جس پر سال مکمل ہو جائے۔

[جامع ترمذی: حدیث ۶۳۱]

سوال: اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرنے کی تاریخ سے تین ماہ قبل کسی غریب عورت کی بیٹی کی شادی میں زکوٰۃ کی نیت سے رقم دے دے تو کیا پیشگی طور پر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب: زکوٰۃ پیشگی طور پر یعنی سال گذرنے سے قبل بھی ادا کی جاسکتی ہے، اس لیے جو رقم غریب کو زکوٰۃ کی نیت سے دے دی وہ زکوٰۃ میں شمار ہوگی اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، حدیث میں ہے، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے ایک سال پیشگی زکوٰۃ وصول کر لی تھی۔ [جامع ترمذی: حدیث ۶۷۹]

سوال: اگر کوئی غریب شخص کسی سے قرض لے لیکن اس کو نہ لوٹائے، اور قرض دینے والا زکوٰۃ کی رقم اسے یہ کہہ کر دے کہ اس سے میرا قرض ادا کر دو اور وہ لوٹا دے؛ لیکن خوش دلی سے نہ لوٹائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ کیونکہ اس میں شبہ یہ ہے کہ اپنا ہی ادا شدہ مال غریب سے واپس لیا ہے؟

جواب: اس طرح بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے، جب غریب اس مال کا مالک ہو جائے پھر وہ قرض دہندہ کو دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، خواہ اس نے قرض بخوشی اپنی مرضی سے ادا کیا ہو یا مطالبہ پر، اس طرح قرض بھی ادا ہو جائے گا اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی۔

حدیث شریف میں ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو میں نے کہا کہ یہ بریرہ کے لیے صدقہ کیا گیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ [صحیح بخاری: حدیث ۱۴۹۳]

سوال: اگر زکوٰۃ کی رقم کے بجائے مجبور، بیوہ، اور پریشان حال لوگوں کو کھانے پینے کا سامان اور دوا وغیرہ دے دی جائے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے صرف روپیہ کی ہی شکل میں ادا کیا جائے، اگر انہی پیسوں سے دوا، اور ضروریات کا سامان خرید کر دے دیا جائے اور مستحق کو اس کا مالک بنا دیا جائے تو یہ بھی کافی ہے۔ [ردالمحتار: ۳/۲۸۳]

سوال: اگر کوئی رمضان المبارک میں مال کا حساب کر کے زکوٰۃ کو الگ کرتا ہے، جس کو مستحقین میں تقسیم کرتا ہے، اور اسی رقم سے کچھ بچا کر رکھتا ہے تا کہ اس سے دوسرے مہینوں میں مستحقین زکوٰۃ کی ضروریات پوری کی جائیں، تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب: زکوٰۃ کا مقصد غرباء کی ضروریات پوری کرنا ہے، اور یہ ضرورت رمضان اور اس کے علاوہ دنوں میں بھی پیش آتی ہی ہے، اس لیے رمضان اور اس کے علاوہ دنوں میں زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

[البحر الرائق: ج ۲/ص ۳۶۸]

سوال: عام طور پر لوگ رمضان المبارک ہی میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اگر زکوٰۃ چھ ماہ پہلے ہی واجب ہو جائے تو اسی وقت ادا کر دے یا پھر رمضان ہی میں نکالنا چاہیے، شرعاً کیا درست ہے؟

جواب: جب کوئی عمل فرض ہو جائے تو اس میں تاخیر کرنا مناسب نہیں، ایک شخص جب بقدر نصاب مال کا مالک ہو گیا اور اس پر سال گذر گیا تو اس کو جلد سے جلد زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے، اسی لیے بعض فقہاء نے زکوٰۃ فرض ہو جانے کے بعد اس میں تاخیر باعث گناہ لکھا ہے۔ [درمختار: ج ۳/ص ۱۹۱]

سوال: زکوٰۃ کی رقم ایک مقام سے دوسرے مقام روانہ کرنے پر خرچ آتا ہے، کیا اس خرچ کو زکوٰۃ کی رقم سے دیا جاسکتا ہے؟ یا پھر یہ زائد رقم ادا کرنے والے کو دینی ہوگی، کیا بینک سے حاصل شدہ سودی رقم اس پر خرچ کی جاسکتی ہے؟

جواب: زکوٰۃ بھیجنے میں جو رقم خرچ ہو، اس کو زکوٰۃ کی رقم سے ادا نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ زکوٰۃ مستحق تک پہنچانا خود صاحب مال کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اس کام کے لیے سودی رقم کا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں مال حرام کو استعمال کرنا ہوگا، اور وہ بھی ایسی ذمہ داری جو خالص عبادت ہے۔ [فتاویٰ ہندیہ: ج ۱/ ۱۷۰]

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

Date 25th January 2025

تاریخ ۲۵؍جنوری ۲۰۲۵ء

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اوران بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین ودنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات وعطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اوران کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) جعفر مسعود حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
NADWATUL ULAMA
اوراس پتہ پر ارسال کریں:
Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)
معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91-8736833376
پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کارروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا